نگہت سیما
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں

نگہت سیما

# ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں

مکمل ناول

محبت کیا ہے؟

مجھے اس کے متعلق کچھ پتا نہیں تھا۔ میں نے اسے صرف کہانیوں میں پڑھا اور فلموں اور ڈراموں میں دیکھا تھا لیکن محبت کے متعلق میری کوئی خاص رائے نہیں تھی حالانکہ سرداوّد نے ایک بار کہا تھا کہ یہ بہت خوبصورت جذبہ ہے یہ جب کسی دل کو منتخب کرتی ہے اور اس دل میں اترتی ہے تو اس پورے وجود کو خوب صورتیوں سے بھر دیتی ہے۔

"یہ شاعر لوگ بھی بس۔"

میں نے سرداوّد کی بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ یوں بھی وہ مجھے اتنے زیادہ پسند نہ تھے حالانکہ جب میں نے اس پرائیویٹ کالج میں ایڈمیشن لیا تھا تو چند دنوں میں ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکیاں ان پر مرتی ہیں۔ یہاں کو ایجوکیشن تھی۔ اور سرداوّد "اردو" پڑھاتے تھے۔

پتا نہیں کیوں مجھے اپنی ان فرینڈز کے بجائے جنہیں ایڈمیشن مل گیا تھا سبکی سی محسوس ہوئی تھی اور میں نے یہاں ایڈمیشن لیا تھا اور یہاں ایڈمیشن لینے والے زیادہ تر لڑکے اور لڑکیاں وہی تھے جنہیں گورنمنٹ کالجز میں ایڈمیشن نہیں مل سکا تھا۔

نتیجتاً "اسٹاف میل اور فی میل دونوں پر مشتمل تھا۔
اماں نے میرے یہاں ایڈمیشن پر اعتراض کیا تھا۔
"سائنس پڑھ کر کیا کرنا ہے۔ آرٹس ہی لے لیتیں گورنمنٹ کالج نزدیک ہی ہے اور صرف لڑکیاں پڑھتی ہیں۔"
"اور لڑکے کیا مجھے کھا جائیں گے۔" میں ہنسی تھی۔ "آپ بے فکر رہیں اماں! میں کسی لڑکے سے بات نہیں کروں گی۔"
اماں ایک لمحہ کولاجواب سی ہوگئی تھیں۔
"یہ بات نہیں۔۔۔ لیکن جب میٹرک میں تمہارے نمبر زیادہ نہیں تو پھر ایف ایس سی کی پڑھائی زیادہ مشکل ہوگی۔ پھر میڈیکل کالج میں تو داخلہ نہیں ملے گا تو محنت کا فائدہ۔"
"نہ ملے لیکن ایف ایس سی اور بی ایس سی کی اپنی ہی نور ہوتی ہے نا۔ اتنے نمبر تو آہی جائیں گے تاکہ پاس ہو جاؤں۔"
تب اماں چپ ہوگئی تھیں اور ڈیڈی کو تو یوں بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میری اماں کوئی دیہاتن ان پڑھ عورت نہ تھیں۔ وہ بی اے پاس اور خاصی سوشل خاتون تھیں۔ ایک این جی او کی اعزازی ممبر بھی تھیں ڈیڈی بزنس مین تھے اور اچھا خاصا بزنس تھا ان کا۔ ہماری چار کنال پر پھیلی کوٹھی بہت خوب صورت تھی۔ مجھے یاد ہے بہت بچپن میں تو میں انہیں ممی ہی کہتی تھی لیکن جب ذرا بڑی ہوئی تو اماں کہنے لگی۔
اماں نے چونکہ خود اسی ڈگری کالج میں تعلیم حاصل کی تھی شاید اسی لیے وہ چاہتی تھیں کہ میں بھی یہاں پڑھوں لیکن میں نے تو سن رائز کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور دو تین روز اپنی دوستوں سے جدائی کا غم منانے کے بعد میں نے نئی سہیلیاں بنالی تھیں۔
پہلے روز جب سرداؤد ہماری کلاس میں آئے تھے تو میرا دھیان ان کی طرف نہیں تھا۔ بلکہ میں اپنی فائل پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔ بڑا بور سا دن تھا۔

"اے سنو، سرداؤد تمہیں جانتے ہیں؟" میری سیٹ فیلو زرمینہ نے پوچھا تھا۔
"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"لیکن تمہیں دیکھ تو ایسے رہے ہیں جیسے برسوں سے جانتے ہوں۔"
"یہ ہر لڑکی۔۔۔ میرا مطلب ہے ہر خوب صورت لڑکی کو اس طرح ہی دیکھتے ہیں جیسے برسوں کی آشنائی ہو۔"
زرمینہ کے ساتھ بیٹھی ثمین نے تبصرہ کیا تھا۔ اس کی بڑی بہن اسی کالج میں تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی اور کالج کے اسٹاف کے متعلق تمام معلومات اسی سے ہمیں ملی تھیں۔
"کاش میں بھی خوب صورت ہوتی۔"
زرمینہ نے مصنوعی آہ بھری تھی تب میں نے سر اٹھا کر سرداؤد کی طرف دیکھا تھا۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا پا کر ذرا سا مسکرا کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بالوں میں پھیرنے لگے تھے۔ عام سی شکل و صورت کے سانولے رنگ کے ادھیڑ عمر سرداؤد میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ لڑکیاں ان پر مرتی تھیں۔
"ہائے، کیا یہاں سارے میل ٹیچرز ایسے ہی ہیں؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا تھا تو ثمین نے جواباً "فائل پر لکھا تھا۔
"نہیں، کچھ بہتر بھی ہیں۔"
اور ہم تینوں منہ نیچا کر کے خوب ہنسے تھے اور سرداؤد مسلسل ہماری طرف دیکھتے رہے تھے جسے لڑکوں نے بھی نوٹ کیا تھا۔ بی ایس سی تک پہنچتے پہنچتے مجھے یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ لڑکیاں سرداؤد پر کیوں مرتی ہیں کیونکہ وہ شاعر تھے۔ کالج کے مشاعروں میں اپنی غزلیں اور نظمیں سناتے اور لڑکیاں فرمائش کر کر کے اور لڑکے تالیاں بجا بجا کر سنتے۔ مجھے شعر و شاعری سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی اس لیے میں نہیں جانتی تھی وہ اچھے شاعر تھے یا برے لیکن شاعر وہ جیسے بھی تھے مگر استاد



اچھے تھے۔ پڑھاتے اچھا تھے۔ عشق و محبت کے موضوع پر بات کرنا انہیں بہت مرغوب تھا۔ اور مجھے عشق و محبت سے خاصی چڑ تھی۔
"کیا ان شعراء کو اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔" ایک روز میں نے چڑ کر کہا تھا تو سرداؤد نے قہقہہ لگایا تھا۔
"بی بی! یہاں تو کائنات کی ہر چیز چرند پرند جانور انسان سب اسی جذبے میں ڈوبے ہوئے ہیں آپ کیوں منکر ہیں اس سچے جذبے سے۔"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن میں جانتی تھی کہ اس کی وجہ اماں جی تھیں جو کبھی کبھی ٹھنڈی آہ بھر کر کہتی تھیں۔
"کوئی اس عشق نامراد کو آگ لگا دے کنویں میں پھنکوا دے۔ جس نے میری شہزین کو مجھ سے چھین لیا تھا۔"
مجھے اماں جی کی سادگی پر ہنسی آتی تھی لیکن میں یہ بھی جانتی تھی کہ اس عشق نامی چیز نے شہزین پھپھو کا ہر رشتہ اس گھر سے ختم کر دیا ہے۔ گو تب میں عشق کے معنی و مفہوم سے بالکل ناآشنا تھی۔ اماں جی نے بھی اس سے زیادہ کبھی بات نہیں کی تھی لیکن جب میں نے میٹرک کر لیا تھا تو ایک روز میرے پوچھنے پر اماں نے مجھے بتایا تھا کہ شہزین پھپھو نے اپنی پسند سے شادی کی تھی اور ان دنوں تو یہ ایک ناقابل معافی جرم ہی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے کبھی شہزین پھپھو کو نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی سوائے اماں جی کے میں نے کسی کو ان کا نام لیتے سنا تھا۔ کسی بھی کون ۔ اس گھر میں اماں جی کے علاوہ اور تھا ہی کون سوائے ڈیڈی اور اماں کے۔ سو ڈیڈی تو بہت مصروف رہتے تھے اور رہیں اماں تو وہ کبھی کبھار کچھ وقت نکال ہی لیا کرتی تھیں۔
اس روز بھی اماں کے پاس وقت تھا اور میں ان دنوں رزلٹ کے انتظار میں گھر پر ہی تھی۔

"شہزین کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور ان دنوں گرلز کالج میں لڑکیوں کی سائنس کی کلاسز نہیں ہوتی تھیں ۔ تمہارے دادا جان کو ایجوکیشن میں اسے پڑھانے کے حق میں نہیں تھے سو وہ لاہور کے ایک گرلز کالج میں داخل ہوگئی۔ ایف ایس سی اس نے بڑے اچھے نمبروں میں پاس کیا تھا۔ ان دنوں وہ بی ایس سی فائنل میں تھی جب وہ اسے ملا تھا۔ پتا نہیں کہاں۔۔۔ شاید کسی کالج میں مباحثوں کے مقابلے میں، شہزین کو غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے کا جنون تھا اور گھر میں سے کبھی کسی نے اسے منع نہیں کیا تھا۔ وہ کوئی اسٹوڈنٹ لیڈر تھا۔ غالباً "اپوزیشن کی کسی پارٹی سے اس کا کوئی تعلق تھا۔ وہ بڑی پرجوش اور جذباتی تقریریں کرتا تھا، ملک میں مساوات کی باتیں کرتا جب کوئی غریب نہیں ہوگا سب ایک جیسے ہوں گے۔ تمہارے ڈیڈی نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ وہ "سُرخا" تھا۔ روس سے پیسہ ملتا تھا اسے اور پتا نہیں کیسے شہزین اس سے متاثر ہوگئی۔ خود اس کا تعلق کسی غریب خاندان سے تھا اور شہزین جانتی تھی کہ اس کے گھر والے کبھی بھی اس کا رشتہ قبول نہیں کریں گے۔

چنانچہ جب بی ایس سی کا امتحان دے کر وہ گھر آئی تو وہ ارتقا سے نکاح کر چکی تھی۔

”ارتقا؟“ میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

”ہاں اس کا نام یہی تھا ارتقا صفی تب تمہارے دادا جان نے سادگی کے ساتھ اس کی رخصتی کر دی‘ لیکن پھر اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ نہ کبھی اس کے گھر گئے۔ نہ کبھی اس سے کوئی بات کی۔ شروع میں ایک دوبارہ وہ ارتقا کے ساتھ آئی لیکن تمہارے دادا جان گھر سے چلے گئے۔ اماں جی نے کوئی بات نہیں کی۔ تو پھر وہ کبھی نہیں آئی۔“

”اب وہ کہاں ہیں؟“ مجھے خوامخواہ ہی ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا تھا۔

”پتا نہیں۔“

”اور وہ کیسی تھیں؟“ میں نے پھر پوچھا تھا۔

اماں کو پتا نہ تھا اور انہوں نے تو شہزین پھپھو کو اپنے بچپن میں کہیں دیکھا تھا دور پرے کی رشتہ داری تھی۔ زیادہ آنا جانا نہ تھا اور جب وہ بیاہ کر یہاں آئی تھیں تو تب شہزین پھپھو کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے تھے۔

تو مجھے عشق و محبت کے ذکر سے ہی چڑ تھی۔ شاید شہزین پھپھو کی وجہ سے۔

میں اکلوتی تھی اور میرے کوئی قریبی عزیز بھی نہ تھے۔ بس ایک خالہ جو کینیڈا میں رہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

لڑکیاں سرداؤد کے گرد آٹو گراف بک لیے چکراتی رہتیں اور سرداؤد کے بھاری قہقہوں کی آوازیں آتی رہتیں۔ دو ایک بار سرداؤد نے بہانے بہانے سے مجھے بھی آفس میں بلوایا تھا لیکن میرا روّیہ کچھ ایسا روکھا رہا کہ وہ بے چارے کھسیا گئے۔

اس روز ہم لان میں بیٹھے سموسے کھا رہے تھے جب سرداؤد اپنے آفس سے نکلے ان کے ساتھ وہ تھا یامین صفی۔ شہزین صفی اور ارتقا صفی کا بیٹا لیکن تب مجھے اس کا علم نہیں تھا۔

وہ گھسی ہوئی جینز پر نیلی دھاری دار شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شرٹ کے اوپر والے بٹن کھلے تھے۔ اس کے بال لمبے لمبے سے تھے کندھوں تک جھولتے ہوئے۔

”یہ کون ہے سر کے ساتھ؟“ میں نے سموسہ املی کی چٹنی میں ڈبوتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ارے تمہیں نہیں پتا‘ سرداؤد کا بھتیجا ہے۔ کبھی کبھار تین چار مہینوں بعد چکر لگاتا ہے۔“ زرمینہ نے انگلی سے املی چاٹتے ہوئے بتایا تھا۔

”کمال ہے میں نے پہلے نہیں دیکھا۔“

”اتفاق ہوگا حالانکہ چھ سات ماہ پہلے بھی وہ آیا ہوا تھا۔ سر کے آفس میں بیٹھا تھا۔

ثمین نے پلیٹ میرے ہاتھ سے لے لی اور اس میں موجود چٹنی سے مستفید ہونے لگی۔

”ویسے یہ سر کے سگے بھتیجے نہیں۔ کسی دوست یا عزیز کے بیٹے ہیں۔“

زرمینہ نے میری معلومات میں اضافہ کیا تھا تب ہی سرداؤد ہمارے قریب آ گئے۔ ہم سب کھڑے ہو گئے۔ ”یامین! یہ میری اسٹوڈنٹ ہیں۔ یہ ثمین تو تمہیں یاد ہے نا۔“ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

جب وہ ہمارے قریب آئے تھے تو میں نے دیکھا تھا اس کی شرٹ کے کف میلے ہو رہے تھے۔ جانے کتنے دنوں سے اس نے کپڑے چینج نہیں کیے تھے مجھے یکدم اس سے کراہیت سی محسوس ہوئی تھی۔ میں بہت نفاست پسند تھی اور میں تو چھٹی والے دن بھی صبح صبح ہی کپڑے بدل کر تیار ہو جاتی تھی۔ ہمہ وقت نک سک سے درست پرفیوم کی ہلکی ہلکی مہک میری شخصیت کا حصہ تھی۔

”یہ میری بہت ذہین اور انٹلیکچوئل اسٹوڈنٹ ہے۔“

اس نے بے حد گہری نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

”اور یہ ہے یامین۔ میرا بھتیجا میرا دوست۔“

میں زبردستی مسکرائی تھی۔ مجھے اس طرح کے لڑکے کبھی اچھے نہیں لگتے تھے۔ میرا جی تو چاہا تھا کہ اسے حجام اور دھوبی کے پاس جانے کا مشورہ دوں لیکن



پھر سرداؤد کے خیال سے چپکی کھڑی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں تو بے حد خوب صورت تھیں سحر سا طاری کرتی ہوئی لیکن اس کا حلیہ انتہائی نفرت انگیز تھا۔

وہ ہمارے پاس رکے نہیں تھے بلکہ سرداؤد تعارف کے بعد اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے اور چند قدم کے فاصلے پر رک کر انہوں نے اس کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے اونچا قہقہہ لگایا تھا اور تب اس نے مڑ کر ایک نظر ہم سب پر ڈالی تھی۔

”یہ ہمیشہ ایسے ہی حلیے میں ہوتا ہے؟“ اپنے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے میں نے پوچھا تھا۔

”ہاں۔ اینگری ینگ مین۔“

ثمین۔ اپنی فائل گھاس سے اٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

لیکن اس حلیے کے باوجود لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ یہ آپی کا کلاس فیلو تھا۔ آپی نے بتایا تھا یہ گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر یہاں سرداؤد کے پاس آ گیا تھا۔ پھر گریجویشن کے بعد اس کے والدین اسے لے گئے تھے بلکہ جب وہ فورتھ ایئر میں تھا تو اس کی والدہ سخت بیمار ہو گئی تھیں اور اس کا بھائی اسے لینے آیا تھا یوں گھر والوں سے اس کی صلح ہو گئی تھی۔“

لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

”ایسے ہی جیسے سرداؤد پر مرتی ہیں۔“

”نہیں یار! اس پر سچ مچ مرتی تھیں۔“ ثمرین نے بتایا۔

”آپی کہتی تھیں اس کی گفتگو میں ایک سحر ہے۔ جو جکڑ لیتا ہے۔ بہت خوب صورت آواز ہے اس کی اور پھر اس کا انداز گفتگو۔ تمہیں نہیں پتا یار! لڑکیاں مختلف چیز پسند کرتی ہیں آج کل۔ بلکہ ایک لڑکی تو اس کے عشق میں پاگل ہو گئی تھی۔“

”اچھا۔“ میں پھر ہنسی تھی۔

”میں تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کروں۔“

لیکن تب مجھے ہرگز پتا نہ تھا کہ ایک روز میں پنجاب یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا لائبریری نہر کے کنارے لان

ہر جگہ اس کے ساتھ دکھائی دینے لگوں گی اور اس کے ساتھ چلتے‘ اس سے باتیں کرتے ہوئے مجھے ذرا بھی گھن نہیں آئے گی بلکہ مجھے فخر محسوس ہوگا اور کسی بھی یونیورسٹی فیلو کو یہ بتاتے ہوئے کہ یامین صفی میرا کزن ہے میری سگی پھپھو کا بیٹا (گو میں نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی اس پھپھو کو نہیں دیکھا تھا) فخر محسوس کروں گی۔

☼ ☼ ☼

یامین کو دوسری بار میں نے پنجاب یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ بی ایس سی کرنے کے بعد میں نے ایم ایس سی میں پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ بیالوجی میں میرے مارکس بہت اچھے تھے۔ سو میں نے اسی میں ماسٹرز کرنے کا سوچا تھا۔ زرمینہ اور میں ہم دونوں نے پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ میرے ہوسٹل میں رہنے کا سن کر اماں نے تھوڑا بہت اعتراض کیا تھا لیکن زیادہ مخالفت نہ کر سکی تھیں کیونکہ ان دنوں اپنی این جی او کے پلیٹ فارم سے وہ دھڑا دھڑ عورتوں کی اعلا تعلیم کے حق میں تقریریں کر رہی تھیں۔

”اپنا خیال رکھنا۔ اپنے اسٹیٹس کا۔ اپنی پھپھو کی طرح کسی کنگلے لیڈر کے چکر میں نہ پڑ جانا۔“ انہوں نے لاہور آنے سے پہلے مجھے نصیحت کی تھی اور مجھے اپنی اماں کی سادگی پر ہنسی آئی تھی۔

”تو کیا کسی دولت مند اپنے ہم مرتبہ اسٹیٹس رکھنے والے کے چکر میں پڑنے کی اجازت ہے؟“ میں نے ہنستے ہوئے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

”بکومت۔“ انہوں نے مصنوعی خفگی سے مجھے گھورا تھا۔

”تیری شادی تو میں کسی شہزادے سے کروں گی۔“ ہر ماں کی طرح اماں بھی میرے لیے کسی شہزادے کے ہی خواب دیکھ رہی تھیں۔

”دیکھ تجل رانی! اپنی پھپھو کی طرح نہ کرنا۔ ماں باپ کی بھی آرزوئیں اور خواب ہوتے ہیں۔ تیری

پھپھو تیرے دادا کا مان نہ توڑتی تو پورا شہر دیکھتا اور یاد کرتا کہ کتنی دھوم سے تیرے دادا اسے رخصت کرتے۔" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

پتا نہیں کیوں انہیں خوف تھا کہ میں اپنی پھپھو کی طرح نہ کروں۔

پھر اس روز میں نے اماں کے ساتھ ہی نہیں اپنے ساتھ بھی عہد کیا تھا کہ میں ڈیڈی اور اماں کا مان کبھی نہیں توڑوں گی۔

یوں مجھے لڑکوں سے ایسی کوئی خاص دلچسپی بھی نہ تھی اور میرے ڈیپارٹمنٹ کے تو سارے لڑکے ہی خاصے پڑھاکو سے تھے۔

اس روز میں نے اور زرمینہ نے ڈاکٹر طلحہ ہاشمی کا پریڈ بنک کیا تھا۔ اور ہم دونوں لائبریری کی طرف جا رہے تھے جب زرمینہ نے میرا بازو پکڑ کر ہلایا تھا۔

"وہ دیکھو یامین..... سرداؤد کا بھتیجا۔"

"لیکن وہ یہاں کہاں ___ اسے تو گریجویشن کیے کئی سال گزر گئے ہوں گے۔"

"کئی سال تو نہیں صرف تین سال، ثمرین کی آپی ہم سے تین سال سینئر ہیں۔" زرمینہ نے پہلے میری تصحیح کرنا ضروری سمجھا پھر خیال ظاہر کیا۔

"شاید کسی سے ملنے آیا ہو۔"

لیکن اس کا خیال غلط تھا اور اس کی تصحیح کچھ دیر بعد یامین نے کردی تھی۔ زرمینہ نے خوامخواہ ہی اسے مخاطب کرلیا تھا۔

"آپ یامین ہیں نا سرداؤد کے....."

"ہاں، لیکن آپ کون؟" اس نے ہمیں پہچانا ہی نہیں تھا۔

"ہم نے سن رائز کالج سے گریجویشن کیا ہے وہاں دیکھا تھا آپ کو۔"

"زرمینہ چلو۔ میں نے آہستگی سے اس کا بازو دبایا تھا۔ وہ آج بھی اسی حلیے میں تھا۔ وہی بدرنگی جینز لمبے بال اور پرانی سی شرٹ جو آج اتنی میلی نہ تھی پھر بھی میری نفاست پسند طبیعت کو وہاں کھڑا ہونا گراں گزر رہا تھا۔

"اوہ اچھا۔"

وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور اس نے میری سرگوشی بھی غالباً" سن لی تھی۔ تب ہی تو اس نے جانے کے لیے قدم بڑھایا تھا۔

"آپ یہاں کیسے؟" زرمینہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"جیسے آپ۔" وہ سپاٹ چہرے اور چڑھی ہوئی تیوری کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"ہم نے تو ایڈمیشن لیا ہے بیالوجی ڈپارٹمنٹ میں۔" مجھے زرمینہ پر غصہ آرہا تھا وہ پتا نہیں کیوں چپکی جا رہی تھی۔

"میں بھی جھک مارنے نہیں آیا۔" اس کی جھلاہٹ پر میں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اب بھی مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا آپ یہاں تین سال سے جھک مار رہے ہیں۔"

"یہ زرمینہ بھی___" میں نے رخ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"آپ جیسی امیر لڑکیاں ہمارے جیسے لوگوں کے مسائل نہیں سمجھ سکتیں۔ جنہیں زندگی کی بقا کے لیے ہر روز کنواں کھودنا پڑتا ہو وہی جان سکتے ہیں ہمارے عذاب۔ ویسے لگتا ہے آپ میرے بارے میں خاصی باخبر ہیں تو اطلاعاً" عرض ہے کہ تین سال میں نے واقعی جھک ماری ہے لیکن یونیورسٹی میں نہیں لاہور کی سڑکوں پر___ کبھی کسی دکان کی سیلزمینی کبھی مزدوری بھی___ خیر!" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہ تین سال میں نے مزدوریاں کرکے روپیہ اکٹھا کیا ہے تاکہ اس یونیورسٹی میں پڑھ سکوں جہاں پڑھنا میرے خوابوں میں سے ایک خواب تھا۔" اور وہ تیز تیز چلتا ہوا ہماری نظروں سے غائب ہوگیا تھا۔ زرمینہ اور میں خاموش کھڑے تھے۔ زرمینہ شرمندہ تھی اور میں حیران۔

"غربت بھی کتنی بڑی لعنت ہے۔ ہے نا۔" زرمینہ نے کچھ دیر بعد تبصرہ کیا تھا۔ "اور ہم کتنے



ناشکرے ہیں کہ ہم نے کبھی اس کے لیے اللہ کا شکریہ ادا نہیں کیا کہ ہمیں بن مانگے بغیر کسی محنت کے ہی سب کچھ مل گیا ہے۔"

میں نے اگرچہ کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے لیے جو ناگواری میں نے محسوس کی تھی وہ باقی نہیں رہی تھی اور میرے اندر شاید اسی روز اس کے لیے ہمدردی پیدا ہوگئی تھی۔

اور محبت کا پودا شاید ہمدردی کی زمین پر ہی اگتا ہے اور یہ پودا میرے اندر بھی اگ آیا تھا لیکن ایک طویل عرصہ تک مجھے اس کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ یونیورسٹی میں ہمارے یونیورسٹی فیلو ہم دونوں کا اکٹھا نام ایک ساتھ لینے لگنے تھے۔ لیکن ہم دونوں کو ہی اس کی پروا نہیں تھی۔

"ہم صرف اچھے دوست ہیں۔" میں نے زرمینہ کے استفسار پر ایک بار کہا تھا۔

یامین کا خیال تھا محبت بے کار اور امیر لوگوں کا مشغلہ ایک سستی تفریح ہے۔ "بے چارے غریب آدمی کے پاس محبت کے لیے وقت ہی کہاں ہوتا ہے وہ تو نان جویں کی تگ و دو کرے یا محبت کی عیاشیاں۔ تم امیر لوگ تو محبت کا یہ ڈرامہ وقت پاس کرنے کے لیے کرتے ہو اور بے چارے غریب کے پاس فالتو وقت ہی نہیں ہوتا۔"

وہ ایسی ہی تلخ اور کھردری باتیں کرتا تھا لیکن اپنی ان تلخ باتوں اور رف حلیے کے باوجود وہ اپنے ڈپارٹمنٹ کے علاوہ پوری یونیورسٹی میں ہی مقبول تھا۔ مجھے بھی تو اس کی تلخ باتوں نے ہی متاثر کیا تھا۔ اگرچہ اس کا حلیہ بہت عرصے تک مجھے کھٹکتا رہا لیکن پھر میں عادی ہوگئی۔ کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس نے کہا۔

"جہاں اور جیسا ہے کی بنیاد پر میری دوستی قبول ہے تو موسٹ ویلکم، ہم آج سے اچھے دوست ہیں۔ اب یہ نہ ہو کہ تمہیں میرے حلیے پر میرے لباس پر اعتراض ہونے لگے۔ آج سے پہلے میں نے کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی۔"

"لیکن وہ زرمینہ تو کہتی ہے کہ لڑکیاں تم پر مرتی تھیں۔"

"میں تو نہیں مرتا تھا۔ دراصل مجھے یہ محبت وحبت سب فضول ہی لگتا ہے۔ سب سے اہم پیٹ کی بھوک ہے۔ بھوک جو ہوتی ہے ناوہ آدمی کو اپنے سگے خون کے رشتوں کا بھی دشمن بنادیتی ہے۔ پتا ہے جب میری ماں میرے باپ کے لیے پوری روٹی بچا کر رکھتی تھی اور ہمیں آدھی روٹی ملتی تھی تو مجھے اپنا باپ اپنا سب سے بڑا دشمن لگتا تھا۔ لیکن اماں کہتی تھی، وہ سربراہ ہے، اس کا حق زیادہ ہے۔"

اور میں حیران سی بیٹھی اس کی باتیں سنتی تھی۔

میرے تو گھر کے نوکر بھی بھوکے نہیں رہتے تھے۔

مجھے اس پر ترس آیا تھا، ہمدردی تھی یا اس کی باتوں کا سحر تھا کہ میں اس کے ساتھ ساتھ ہی رہنے لگی تھی۔ وہ ماس کمیونیکیشن میں تھا اور تقریباً" ہر روز ہی میرے ڈپارٹمنٹ میں آتا تھا۔

بہت بعد میں ایک بار اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ صرف مجھے ایک نظر دیکھنے ہمارے ڈپارٹمنٹ میں آتا تھا۔ لیکن جب ہم یونیورسٹی میں تھے تو اس نے اس طرح کی کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہم گھنٹوں ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے، لیکن ہماری گفتگو میں زیادہ تر زمانے کی ناانصافیوں کا گلہ ہوتا۔ اور دوسری ملاقات میں جب میں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی، تب بھی وہ کیفے ٹیریا میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا، میز پر مکے مار مار کر کہہ رہا تھا۔

"یہ لوگ، یہ جاگیردار اور صنعت کار دولت پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس دولت کی مساویانہ تقسیم ہونا چاہیے۔ ایک طرف تو ان کے کتے بھی بہترین غذا کھاتے ہیں اور دوسری طرف انسان کے بچے بھوک سے بلک بلک کر مرجاتے ہیں، اسے سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

مجھے اس کی تقریر سے الجھن ہوئی تھی، میں اسی وقت زرمینہ کے ساتھ چائے پینے کے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

"ان صنعت کاروں کو یہ دولت کوئی مفت میں نہیں

ملتی مسٹر امین! ان کی دن رات کی محنت سے ملتی ہے۔ محنت کرتے ہیں' آپ کی طرح چائے کی ٹیبلز پر بیٹھ کر بے کار کی تقریریں نہیں کرتے۔ میرے بے چارے ڈیڈی تو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے مصروف رہتے ہیں' ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ۔۔۔"

"اچھا۔" وہ میری طرف دیکھ کر تمسخر سے ہنسا تھا۔

"آپ کے ڈیڈی جو بھی کام کرتے ہیں جو بھی ۔۔۔ بزنس' ان کے ملازم اور ورکر بھی تو ہوں گے۔"

"ظاہر ہے' وہ اکیلے تو ایک پورا بزنس رن نہیں کرسکتے۔"

تو ذرا اپنے بزنس مین ڈیڈی سے پوچھیے گا کہ وہ کیا ان ورکرز کو ان کا پورا حق دیتے ہیں؟ تو میں بتاؤں آپ کو چار' پانچ ہزار تنخواہ دے کر وہ تو حکومت کے لیبرز قانون کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ بے چارہ ورکر دن بھر محنت کرکے چھ' سات بچوں کا پیٹ بھرے یا دوسری ضروریات پوری کرے۔ ارے یہ مل اونرز اور بزنس مین جتنی حق تلفی اپنے ورکرز کی کرتے ہیں' مجھ سے پوچھیں آپ۔ کہیے تو کسی روز کسی مل میں یا فیکٹری میں لے چلوں اور ملوا دوں ان غریب ورکرز سے' یہ لوگ تو حکومت کے لیبر زلاء کا بھی خیال نہیں رکھتے۔" اس کی جذباتی تقریر نے مجھے لاجواب کردیا تھا۔

کہہ تو وہ صحیح رہا تھا۔ مجھے یاد آیا تھا کہ ایک بار ڈیڈی کے ایک ورکر کا بازو مشین میں آکر کٹ گیا تھا تو بے چارے کو نہ صرف نوکری سے جواب دے دیا گیا تھا' بلکہ علاج کے لیے بھی صرف چند ہزار روپے دے کر یہ کہہ کر ٹرخا دیا گیا کہ وہ ابھی پکا نہیں ہے۔ اور مجھے قائل ہوتا دیکھ کر ہی اس نے ہمیں وہاں بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔

"ایک کپ چائے ہماری طرف سے امیر لوگوں کے لیے۔"

اور پھر واقعی اس نے مجھے اور زرمینہ کو اپنے پیسوں سے چائے پلوائی تھی' بلکہ سموسے بھی کھلائے تھے۔

"آج جیب میں کچھ پیسے ہیں۔" اس نے فوراً ہی جتا دیا تھا۔ "اور ضروری نہیں کہ پھر میں اپنی جیب سے ہی چائے پلواؤں۔"

تب میں نے چاہا تھا کہ چائے کے پیسے ادا کردوں' لیکن اس نے منع کردیا تھا۔ اس روز اس نے بہت سے واقعات سنائے تھے جس میں امیروں نے غریبوں کا استحصال کیا اور ان کا حق مارا تھا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اس روز ہی اس نے مجھے کچھ نہ کچھ متاثر کرلیا تھا اور یہ پسندیدگی آنے والے دنوں میں بڑھتی ہی گئی تھی۔

"یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے دوسروں کو اٹریکٹ کرنے کا۔" ایک بار زرمینہ نے رائے دی تھی۔ "ہر دا او دوتو اچھے خاصے کھاتے پیتے بلکہ چھلکاتے آدمی ہیں' اتنی شاندار گاڑی ہے ان کے پاس اور۔۔۔"

"شاید ثمرین نے ہی تو ہمیں بتایا تھا کہ وہ اس کے سگے چچا نہیں ہیں۔" میں نے زرمینہ کو یاد دلایا۔

ہاں' لیکن اگر وہ سگے چچا نہیں ہیں تو بھی عزیز رشتہ دار ہیں تو کچھ تو اسٹیٹس میل کھاتا ہوگا نا۔"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ میری خالہ کینیڈا میں رہتی ہیں' ان کے سسرال میں سب ہی لکھ پتی' بلکہ کروڑ پتی ہیں' لیکن خالو جان کی پھوپھو سرگودھا میں رہتی ہیں' بے چاری محنت مزدوری کرکے گزارا کرتی ہیں۔"

"تم ان دنوں اس کی بہت سائیڈ لینے لگی ہو' حالانکہ جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے اس سے ملاقاتیں کرتے ہوئے' کہیں دال میں کچھ کالا تو نہیں۔" زرمینہ نے کھوج لگانے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں دال میں کالا تو کیا چنا بھی نہیں ہے۔" میں ہنس دی تھی۔ "مجھے اس کا فلسفہ اس کا انداز گفتگو متاثر کرتا ہے۔ پتا ہے وہ اس دنیا کو' اس ملک کو بدلنا چاہتا ہے۔ وہ ایسے خواب دیکھتا ہے۔ جس میں اس ملک کا ہر شخص خوشحال ہو' غربت نہ ہو۔ دکھ نہ ہوں۔ مجھے اس کے خوابوں سے اس کے آدرش سے عقیدت ہے۔"

"خیر خوابوں اور گفتگو کی حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن کہیں اس سے متاثر نہ ہو جانا۔ تمہاری اماں اور ڈیڈی تو بے موت مر جائیں گے۔"

زرمینہ نے دوستی کا حق ادا کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"خدا نہ کرے۔" میرے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ "شادی تو مجھے اماں کی پسند سے کرنی ہے زری! اور یہ میری اماں سے کمٹ منٹ ہے۔"

"اچھا تو پھر اس بے چارے کو بے وقوف نہ بنانا، مجھے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے کچھ خاص دِکھتا ہے۔"

"ارے نہیں تمہارا وہم ہے۔ وہ محبت کو تو سرے سے مانتا ہی نہیں، بلکہ انتہائی فضول قرار دیتا ہے۔"

میں نے زرمینہ کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے محبت کے متعلق اس کے ریمارکس بتائے تو وہ کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔ لیکن چھ ماہ بعد جب وہ میرے سامنے بیٹھا، مجھ سے محبت کے متعلق پوچھ رہا تھا تو مجھے کچھ دیر کے لیے لگا تھا کہ اس کے لہجے میں اور آنکھوں میں میرے لیے کچھ خاص ہے۔

"تمہارے خیال میں محبت کیا ہے؟"

وہ بالکل میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا، حسب معمول گھسی ہوئی جینز پر دھاری دار شرٹ، شرٹس کا رنگ بدلتا رہتا تھا، لیکن جینز وہی رہتی تھی۔

"پتا نہیں میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔"

"کیا تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی؟ ممی، ڈیڈی اور دوستوں کے علاوہ۔" اس نے پوچھا تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اور کبھی کرنا بھی مت۔" اس کا لہجہ یکایک بدل گیا تھا۔

"یہ محبت بہت ذلیل و خوار کرتی ہے آدمی کو، اور محبت کی کوئی حقیقت ہے بھی نہیں۔ یہ دراصل ۔۔۔ خیر چھوڑو۔" اس کا چہرہ اور آنکھیں یکدم سپاٹ لگنے لگی تھیں۔

"تم بتاؤ یامین! تم آخر محبت سے اتنا چڑتے کیوں ہو؟"

میں نے یونہی پوچھ لیا تھا لیکن اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"مجھے محبت سے نفرت ہے، اس لیے کہ میں نے محبت کا چہرہ اتنا مسخ ہوتے دیکھا ہے کہ مجھے یہ جذبہ سب سے جھوٹا اور لغو لگتا ہے۔ جانتی ہو تجل! میری ماں نے میرے باپ سے محبت کی تھی۔ میری ماں ایک امیرزادی تھی اور میرا باپ ایک غریب مستری کا بیٹا۔ میرے مستری دادا کو بہت شوق تھا کہ اس کا بیٹا پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن جائے۔ میرا دادا کوئی بڑا مستری نہ تھا۔ مزدور سے ترقی کر کے مستری بنا تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے بیٹے کو پڑھایا، اس کا بیٹا جس شان سے اسکول کالج اور پھر یونیورسٹی جاتا تھا کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ کسی غریب مستری کا بیٹا ہے۔ میرا باپ ایک چالاک اور خود غرض شخص تھا۔ اسی لیے اس نے میری ماں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ یونین کا صدر بھی تھا۔ ان دنوں یونین ہوا کرتی تھی اور اس کے صدر کی بڑی ٹور ہوتی تھی۔ وہ بڑی جذباتی تقریریں بھی کرتا تھا اور ان ہی دنوں جب میری ماں اس کے پیچھے دیوانی ہو رہی تھی وہ ایک سیاسی پارٹی میں شامل ہو گیا۔ اس نے میری ماں سے چوری چھپے نکاح کر لیا اور جب ماں نے اپنے گھر جا کر اس نکاح کا بتایا تو ظاہر ہے وہ لوگ، جو میرے باپ کا رشتہ عام حالات میں قبول نہ کرتے مجبور ہو گئے کہ بیٹی کو عزت و احترام سے رخصت کر دیں، لیکن انہوں نے بیٹی سے قطع تعلق کر لیا۔ پھر زندگی بھر وہ میری ماں سے نہیں ملے۔ میرے باپ نے ایک جوا کھیلا تھا جس میں وہ ہار گیا۔ ماں کا جہیز اور زیورات تو بہت جلد ختم ہو گئے۔ لیکن جس جائیداد پر اس کی نظر تھی وہ جائیداد اسے نہ مل سکی۔ ماں کو اس سے نکاح کے بعد پتا چلا تھا کہ وہ ایک غریب مزدور کا بیٹا ہے اور اس کی ٹھاٹ باٹ عارضی اور مانگے کا ہے۔ لیکن تب وہ اس کی محبت میں اتنا آگے جا چکی تھی کہ ۔۔۔" اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

"میں نے اپنے بچپن میں اکثر باپ کو ماں سے جھگڑتے دیکھا تھا۔ وہ اس سے کہتا تھا کہ وہ اپنے حق کے لیے عدالت میں کیس کر دے، لیکن ایک یہ واحد بات تھی جو ماں نے کبھی نہیں مانی وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ میں اپنے والدین اور بھائی کو مزید رسوا نہیں کروں گی۔"

"تمہارے ابا کیا کرتے ہیں یامین؟"

"چمچہ گیری۔" وہ پھر ہنسا تھا۔ "ابا کو ہمیشہ اپوزیشن میں رہنے کا شوق رہا ہے۔ وہ ہر اپوزیشن پارٹی کے سرگرم رکن ہوتے ہیں اور ان کی چمچہ گیری کرتے ہیں۔ غریبوں کے حقوق کے لیے نعرے لگاتے ہیں۔ اپوزیشن کے جلسوں میں پرجوش تقریریں کرتے ہیں۔ اور جب وہ پارٹی برسراقتدار آجاتی ہے۔ غریب کے آنسو خشک نہیں ہوتے وہ اسی طرح بھوکا ننگا رہتا ہے تو ابا دوسری پارٹی میں شمولیت کا اعلان کر دیتے ہیں اور ایک بار پھر سڑکوں پر نکل کر نعرے لگا رہے ہوتے ہیں۔ خود تو شاید انہیں روٹی کے چند نوالے مل جاتے ہوں گے۔ لیکن گھر والے ہمیشہ بھوکے پیٹ یا آدھی بھوک کے ساتھ ہی رہے۔" اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی۔ لیکن اس کی سچائی، اور اس کی یہ کھری باتیں مجھے اٹریکٹ کر رہی تھیں۔

"میرا یہ لباس، یہ پرانی جینز، یہ شرٹ، مجھے پتا ہے کہ تمہیں اس سے چڑ ہے۔" وہ بلا کا ذہین بھی تھا۔ "میں چاہوں تو اس سے قدرے بہتر لباس بھی پہن سکتا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ میری اوقات اسی لباس کی ہے۔ اور میں اپنے ابا کی طرح کسی لڑکی کو دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ میرے ابا ارتقا صفی کو صورت شکل تو اللہ نے اچھی دی تھی اور لباس وہ خود جدید اور بہترین پہنتے تھے۔"

"ارتقا صفی۔" میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تو ارتقا صفی صرف وہ ایک شخص تو نہیں ہو گا جس کے متعلق اماں نے مجھے بتایا تھا۔ لیکن محبت کی شادی۔" میں نے سوچا۔

"کیا تمہاری اماں کا نام شہزین ہے۔" بے اختیار میرے لبوں سے نکلا تھا۔ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میری ایک پھپھو تھیں، شہزین فاطمہ، انہوں نے بھی کسی ارتقا صفی نامی شخص سے ایسے ہی شادی کی تھی جیسے تمہاری اماں نے۔"

"اور تمہارے دادا کا نام کیا انوار الحسن زیدی تھا؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کے لبوں سے قہقہہ پھسل پڑا اور پھر وہ بہت دیر تک ہنستا رہا۔

"میرے نانا کا نام بھی انوار الحسن زیدی ہے۔ ایک بار میری ماں نے مجھے بتایا تھا اور یہ اس روز کی بات تھی جب اخبار میں ان کی وفات کی خبر چھپی تھی۔"

میں بڑی خوشی اور اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ یامین صفی جو یونیورسٹی میں لڑکوں میں سے میرا واحد دوست ہے۔ درحقیقت میری پھپھو کا بیٹا ہے۔ مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ ایک بار پھر اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ہنسا تھا۔

"یہ کچھ افسانوی اور فلمی سی سچویشن ہے۔ لیکن فلموں میں تو ایسی سچویشن میں محبت ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمارے سلسلے میں ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ مجھے ایسی خرافات سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"اور نہ ہی مجھے اپنی پھپھو کی تاریخ دہرانی ہے۔"

میں نے اس کی تائید کی تھی۔ لیکن مجھے شہزین پھپھو سے ملنے کا اشتیاق ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے پہلی بار اس سے پوچھا۔ کیا وہ مجھے اپنے گھر لے جا سکتا ہے میں اپنی پھپھو سے ملنا چاہتی ہوں۔

"ایک شرط پر۔" چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"تم وہاں ہرگز یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم انوار الحسن زیدی کی پوتی اور ابرار الحسن زیدی کی بیٹی ہو۔"

"لیکن اس میں کیا حرج ہے؟"

"حرج ہے ۔۔۔ تم میرے باپ کو نہیں جانتیں۔ یہ جان کر کہ تم کون ہو اس کا لالچ پھر عود کر آئے گا۔"

اور میں نے اس کی بات مان لی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

"دراصل۔" وہ وضاحت کرنے لگا تھا۔ "آج کل

والد محترم پھر فارغ ہیں۔ پارٹی والے اپنا مطلب نکل جانے کے بعد "ٹھنڈے" مار دیتے ہیں انہیں۔"

"لیکن لوگ تو بڑے فائدے اٹھاتے ہیں۔" میں نے سنی سنائی بات کی تھی۔

"تم ننھی معصوم بھیڑ تمہیں نہیں معلوم ان گھاگ سیاست دانوں کے ہتھکنڈے، بے چارہ ہمارا ملک جسے کبھی بھی قائداعظم کے بعد مخلص لیڈر نہیں ملے، سب۔" اس نے ایک گالی دی اور کھڑا ہو گیا۔

"سوری تم میری گالی کا بُرا نہ ماننا، میں جہاں جس ماحول میں پلا بڑھا ہوں، وہاں گالی زبان پر چڑھی ہوتی ہے۔ ابا یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں، لیکن ان کی زبان بڑی گندی ہے۔" اور یہ پہلی بار تھا، جب اس نے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے حوالے سے مجھ سے بات کی اور اس روز پہلی بار مجھے پتا چلا تھا کہ اس کے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ ایک بھائی اور بہن اس سے بڑے تھے اور ایک بھائی چھوٹا۔"

بڑا بھائی عارفین صفی گورنمنٹ کے کسی ادارے میں کلرک تھا۔ اور یہ وہ واحد کام تھا جو ایک پارٹی لیڈر نے ارتقا صفی کی درخواست پر اس کے بی۔ اے پاس بیٹے کو نوکری دلوا کر کیا تھا۔ بہن نے میٹرک کیا تھا اور شادی کے انتظار میں گھر بیٹھی تھی۔ جبکہ چھوٹا بھائی امین صفی کالج کا اسٹوڈنٹ تھا اور اپنی پڑھائی کے کچھ اخراجات ٹیوشنز پڑھا کر پورے کرتا تھا اور کچھ اسے یامین فراہم کرتا تھا۔

اور اس روز بس میں بیٹھ کر میں اس کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ اچھرے کے پاس ایک چھوٹی سی تنگ گلی میں اس کا گھر تھا۔ اندر ایک چھوٹا سا صحن، برآمدہ اور برآمدے کے اندر دو کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔ برآمدے میں ہی ایک طرف گیس کا چولہا لگا ہوا تھا۔ اور ایک شیڈ پر نمک مرچوں اور مسالوں کے ڈبے پڑے تھے۔ چولہے کے پاس پیڑھی پر ایک عورت بیٹھی بھنڈیاں کاٹ رہی تھی اور صحن میں لگے نل کے نیچے ایک لڑکی کپڑے دھو رہی تھی۔

"یہ انیلا ہے، میری بہن۔"

"نیلی ادھر آؤ، اس سے ملو، میری کلاس فیلو تجلی۔"

اس کی آواز پر چونک کر پیڑھی پر بیٹھی خاتون نے سر اٹھا کر دیکھا۔

بڑی جانی پہچانی سی لگی تھیں وہ مجھے۔ شاید دلاوری سے مشابہت تھی ان کی اور ڈیڈی سے بھی۔ غربت کے باوجود ایک وقار، ایک تمکنت سی تھی ان کے چہرے پر۔

"اماں! یہ تجلی ہے میری ہم جماعت، اسے میرا گھر دیکھنے کا بہت شوق تھا سو میں لے آیا۔"

"جیتی رہو۔"

ایک لمحہ کو میرا جی چاہا کہ میں انہیں بتا دوں کہ وہ میری سگی پھپھو ہیں، لیکن میں یامین کی بات ٹال نہیں سکتی تھی۔ سو صرف مسکرا دی۔

"نیلی بیٹا! بہن کے لیے چائے بناؤ۔"

انہوں نے صحن میں کپڑے دھوتی نیلی کو بلایا تھا۔

"رہنے دیں اماں۔" یامین موڑھا کھینچ کر وہیں بیٹھ گیا۔ اس امیر زادی کو ہمارا وہ جوشاندہ پسند نہیں آئے گا۔"

"امیر زادی، ارے واہ یار تو تو بڑا تیز نکلا۔"

کمرے کا پردہ اٹھا کر ایک شخص باہر نکلا تھا۔ کلف لگے اسکائی بلیو کاٹن کے سوٹ پر سیاہ ویسٹ کوٹ اور جیل سے سیٹ کیے ہوئے بال، کسی تیز پرفیوم کی خوشبو۔ اس کے کمرے سے باہر آتے ہی سارے برآمدے میں پھیل گئی تھی۔ وہ اس ماحول کا حصہ نہیں لگ رہا تھا۔ پس منظر میں دو کمرے ان کے دروازوں پر لٹکے لنڈے کے جالی کے لہراتے پردے۔ دو پرانے موڑھے جن پر میں اور یامین بیٹھے تھے۔ نل کے نیچے کپڑے دھوتی لڑکی جس کے کپڑوں کا رنگ اڑ چکا تھا اور چولہے کے سامنے پیڑھی پر بیٹھی عورت جس کے زرد چہرے کی جھریوں میں اس کی پچھلی عمر کا تھکاوٹ چھپی تھیں۔ اور ان سب کے درمیان وہ ترو تازہ فریش سا کھڑا فرد، واقعی اس ماحول کا حصہ نہیں تھا۔

"ابا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اوہو اچھا۔ او کے بھئی میں تو چلا، مجھے فلاں صاحب سے ملنا ہے۔"

یامین نے ان کے جانے کے بعد کندھے اچکائے تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ اگر شہزین پھپھو اس کے دام میں آ گئی تھیں تو کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ ظاہری شخصیت تو آج بھی شاندار تھی۔ لباس کے رکھ رکھاؤ کے علاوہ شکل و صورت میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھا۔ یامین کے مقابلے میں اس کا رنگ بھی صاف تھا اور نقوش بھی اٹریکٹو تھے۔ ہاں آنکھیں بالکل یامین کی طرح تھیں۔ سیاہ، چمکدار سحر طاری کرتی آنکھیں۔

"یہ میرے ابا تھے۔"

مجھے صحن کی طرف دیکھتے پا کر یامین نے کہا تو میں نے سر ہلا دیا۔ مجھے شہزین پھپھو کو دیکھ کر درحقیقت بہت دکھ ہوا تھا۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھی تھی۔ شہزین پھپھو نے اس دوران بہت کم بات کی تھی زیادہ تر یامین ہی بولتا رہا۔ نیلی بھی دُھلے ہوئے کپڑے تار پر پھیلا کر ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بھی اتنی ہی خاموش طبع اور کم گو تھی جتنی پھپھو۔

"دیکھ لیا میرا گھر اور مل لیں اپنی پھپھو سے۔"

واپسی پر اس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"اور جان لیا کہ محبت کتنی بے کار اور لغو شے ہے۔ اگر اماں نے ابا سے شادی نہ کی ہوتی تو ان کی زندگی اس زندگی سے کتنی مختلف ہوتی، اس وقت وہ کسی بیوٹی پارلر میں پیڈی کیور یا مینی کیور کروا رہی ہوتیں۔ کسی این جی او کی اعزازی ممبر ہوتیں، ان کا اپنا ایک سوشل سرکل ہوتا۔" اس نے وہی بات کہی تھی جو میں نے سوچی تھی۔

"یامین! تمہارے ابا نے کبھی جاب کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"بقول ان کے بہت کوشش کی، ساری زندگی کرتے رہے۔ لیکن انہیں اپنی قابلیت کے مطابق کوئی جاب ملی ہی نہیں۔"

"اور پھپھو وہ بھی تو پڑھی لکھی تھیں۔ ماسٹرز کر رکھا تھا انہوں نے وہ جاب کر کے معیار زندگی بدل سکتی تھیں۔" میرے لہجے میں تاسف تھا۔

"ہاں، انہوں نے جاب کی تھی۔ ایک پرائیویٹ کالج میں جاب مل گئی تھی۔ انہیں۔ اتنی تنخواہ ضرور مل جاتی تھی کہ گزرا ہو جاتا تھا۔ لیکن پھر یوں ہوا کہ جب میں گیارہ سال کا ہوا تو اماں کو ٹی بی ہو گئی۔"

"کیا؟" میں چونکی۔

"ہے نا اٹھارویں صدی کی ہیرو، ہیروئنوں والی رومانٹک بیماری۔ پرانے زمانے کے افسانوں اور فلموں میں ہیرو یا ہیروئن جدائی میں ٹی بی کے مریض بن جاتے تھے جبکہ اماں کو ملن نے ٹی بی کا شکار بنا دیا تھا۔" وہ تلخی سے ہنسا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر اماں کو ابا نہ ملتے تو ان کی جدائی میں انہیں ہرگز ٹی بی نہ ہوتی۔ بلکہ دو، چار دن رو دھو کر وہ اپنے دولت مند شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگتیں۔" باتیں کرتے کرتے ہم بس اسٹاپ تک آ گئے تھے۔

"پھر کیا اب۔۔۔"

"پھر کیا۔۔۔ کالج والوں نے انہیں جاب سے نکال دیا۔ اماں کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔ کچھ عرصہ انہیں مری میں بھی رکھا ابا نے۔"

"اور اب، اب کیسی ہیں وہ؟ آج کل تو ٹی بی ناقابل علاج مرض نہیں رہا۔ تم لوگ ان کا علاج کرواتے۔"

"ان کا علاج ہوا تھا۔ مفت ہو جاتا ہے، زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔" وہ پھر تلخی سے ہنسا تھا۔

"اور اب وہ بہتر ہی ہیں، ہاں سردیوں میں کچھ تکلیف ہو جاتی ہے۔"

"تم۔۔۔ تم کیوں نہیں کوئی پارٹ ٹائم جاب کر کے ان کا ہاتھ بٹاتے۔"

"یہ تم نہیں۔۔۔ تمہارے اندر موجود ان کے لیے خون کی محبت بول رہی ہے۔" وہ ہنسا تھا۔

"میں اپنے تعلیمی اخراجات خود ہی پورے کرتا ہوں۔" اس نے جتایا تھا۔

"اور اگر میری ضروریات سے کچھ بچ جاتا ہے جو کم ہی ہوتا ہے تو میں اماں کو دے دیتا ہوں۔"

اس روز میں نے دیر تلک ان سب کے متعلق سوچا' وہ سب میرے قریبی خونی رشتے دار تھے۔ لیکن ان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں بہت فرق تھا۔ نیلی اور شہزین پھپھو نے جو کپڑے پہن رکھے تھے ایسے کپڑے تو ہمارے ملازم بھی نہیں پہنتے تھے۔

یامین جو اپنے گھر کا کوئی پسندیدہ فرد نہ تھا۔ عارفین اور ارتقا صفی تو اس سے خفا ہی رہتے تھے۔ شہزین بھی شوہر کی وجہ سے زیادہ کلام نہیں کرتی تھیں۔ آج سے چھ سال پہلے ارتقا صفی نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔

"ابا چاہتے تھے کہ میں عارفین کی طرح نوکری کرلوں۔ تاکہ گھر کا خرچ چل سکے۔" یامین نے مجھے بتایا تھا۔

" عارفین نے سمپل بی اے کیا تھا اور شروع سے ہی اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' یہ تو اماں کی محنت تھی سب۔ لیکن میں کوئی پروفیشنل ڈگری لینا چاہتا تھا۔ انجینئر یا ڈاکٹر بننا میری خواہش تھی۔ لیکن ابا نے کہا۔ انہوں نے میرے لیے نوکری کی بات کرلی ہے۔ کسی شاپ پر سیلز مین کی' ان دنوں اماں کی طبیعت پھر خراب تھی۔ اور صرف عارفین کی تنخواہ میں ان کی دوائیاں گھر کا خرچ پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ وہ خود کیوں کام نہیں کرتے۔ ہٹے کٹے تو ہیں۔ اور یہ کہ مجھے تو پڑھنا ہے۔ اس پر انہوں نے مجھے مارا اور گھر سے نکل جانے کو کہا۔ میں سترہ' اٹھارہ سال کا تھا اور اتنا باشعور بھی نہیں تھا۔ میں گھر سے نکل آیا اور مجھے انکل داؤد مل گئے۔ انکل داؤد کو میں نے دو' تین بار ابا کے ساتھ دیکھا تھا' وہ بھی اسی پارٹی میں تھے۔ جس میں ابا۔ لیکن وہ ہوشیار آدمی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ فائدے اٹھائے۔ وہ مجھے ساتھ لے گئے۔ میں دو سال ان کے ساتھ رہا۔ بغاوت کے جراثیم میرے اندر ان ہی دو سالوں کے دوران پیدا ہوئے تھے۔ پھر عارفین مجھے آکر لے گیا اماں کے کہنے پر' وہ بیمار تھیں' میں آگیا۔ لیکن سر داؤد سے میرا رابطہ رہتا ہے۔"

"اور اماں سے کیوں ناراض رہتے ہو؟" میں نے پوچھا تھا۔

"وہ مجھ سے خفا رہتی ہیں کہ میں ابا سے کیوں الجھتا ہوں۔ انہیں میرے لباس سے بھی چڑ ہے کہ میں چار' چار دن کپڑے کیوں نہیں بدلتا اور یہ لمبے بال کیوں رکھے ہوئے ہیں۔"

"تو کٹوا دو نا۔" میں نے کہا تھا۔

"نو مشورہ۔" اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر مجھے تنبیہہ کی تھی۔

"یہ بات تم جانتی ہو کہ میں اپنی ذاتیات میں کسی کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ اگر تمہیں میری کمپنی میں شرم محسوس ہوتی ہے تو اللہ حافظ۔" وہ یونہی ذرا سی بات پر تلخ ہو جاتا تھا۔

شاید اس کے اندر بہت سارے کمپلیکسز تھے' اور وہ اس طرح ان کو چھپاتا تھا۔

اگلے بہت سارے دن یامین نے اپنے گھر کا ذکر تک نہ کیا۔ بلکہ میں نے ایک دو بار اماں اور نیلی کا حال پوچھا بھی تو وہ "ٹھیک ہے" کہہ کر کوئی اور بات کرنے لگا اور نہ ہی اس نے مجھے گھر چلنے کی دعوت دی' تب ایک بار میں نے خود ہی ڈھیٹ بن کر کہا۔

"چلو یامین آج تمہارے گھر چلتے ہیں۔"

"کیوں؟" اس نے بھنویں اچکائی تھیں۔

"تمہارے لیے اس گھر میں کیا کشش ہے؟"

اور میں سٹپٹا گئی تھی' جب وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھتا تو مجھے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔ پتا نہیں کیسا جادو تھا اس کی آنکھوں میں۔

"تم نے میرا اصل دیکھنا تھا' میں نے دکھا دیا کہ یہ ہے میرا اصل' اب بار بار کیوں تماشہ دیکھنا چاہتی ہو۔"

"تم ہمیشہ نیگٹو ہی کیوں سوچتے ہو۔"

"اب یہ نہ کہنا کہ تم میری اماں اور بہن کی محبت میں مری جا رہی ہو' میں ایسی فضول اور جھوٹی بات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔"

"نہ کرو۔" میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اور میں یہ کہنے بھی نہیں جا رہی تھی کہ میں ان کی محبت میں۔۔۔"

"اچھا تو۔۔۔"



وہ میری بات کاٹ کر تمسخر سے ہنسا تھا۔ اور پھر کتنی ہی دیر تک ہنستا رہا تھا۔ میں نے جانے کے لیے قدم اٹھائے تو اس نے آواز دی تھی۔

"بل دے جاؤ۔ چائے تم نے منگوائی تھی۔ میں نے نہیں۔"

وہ کبھی کبھی ایسا ہی کٹھور اور بے رحم سا ہو جاتا تھا۔

"کسی روز تمہارا سارا حساب چکا دوں گا۔ جتنی پیالیاں اب تک تمہاری جیب سے پی چکا ہوں دل پر لکھی ہیں۔"

"بکومت' دوستوں میں حساب کتاب نہیں ہوتا۔"

"یہ کتابوں کی باتیں نہ کیا کرو۔ دوستوں میں ہی تو حساب کتاب ہوتا ہے۔"

اس کا اپنا فلسفہ تھا اور اپنی سوچیں۔

☼ ☼ ☼
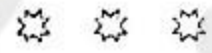
دو روز بعد میں خود ہی اچھرہ پہنچ گئی تھی۔ اچھرہ سے ہی میں نے انیلا اور پھپھو کے لیے لان کے خوبصورت سوٹ لیے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ اور ان کی حیرانی پہ میں نادم۔

"دراصل میں اچھرہ آئی تھی تو میں نے سوچا آپ کی خیریت دریافت کرتی چلوں۔ یامین نے بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب رہتی ہے۔" انہوں نے ممنون نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھی دوپٹے کی بیل بنا رہی تھیں۔

"شکریہ بیٹا۔" ان کا لب و لہجہ بہت شائستہ تھا اور یامین نے ان کی کوئی بات نہیں لی تھی۔ نہ لہجے کی شائستگی نہ دھیما پن۔

"امین۔ بیٹا! یہ ذرا باہر سے کولڈ ڈرنک لے آؤ۔"

تب ہی کمرے سے ایک مسکراتی آنکھوں والا لڑکا باہر نکلا۔ میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ڈیڈی کی بہت مشابہت تھی اس میں۔ ویسی ہی ناک' ویسی ہی مسکراتی آنکھیں۔ صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔

"یہ امین ہے میرا سب سے چھوٹا بیٹا۔ اور بیٹا یہ یامین کی دوست ہے۔" اس نے آنکھیں پھاڑی تھیں

"نو۔۔۔ نیور۔ بھائی کی دوست ایسی نہیں ہو سکتیں۔"

"ہم یونیورسٹی فیلو ہیں۔" میں مسکرائی تھی۔

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا تھا۔ شہزین پھپھو نے دوپٹے کے پلو سے بیس روپے نکال کر اسے پکڑائے۔

"نہیں پلیز۔" میں نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"اس وقت نہیں' پھر کبھی سہی۔ میری فرینڈز انتظار کر رہی ہوں گی۔ وہ دراصل شاپنگ کے لیے آئے تھے ہم یہاں۔"

"ہاں' ادھر اچھرہ میں جاپانی کپڑا اچھا مل جاتا ہے۔" انہوں نے سادگی سے کہا تھا۔

میں دراصل یامین کے آنے سے پہلے یہاں سے جانا چاہتی تھی' جب میں یونیورسٹی سے نکلی تھی تو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کیفے ٹیریا کی طرف جا رہا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" میں جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ امین بھی واپس اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"یہ آپ کے اور نیلی کے لیے۔ اس روز میں خالی ہاتھ آگئی تھی۔ یہ چھوٹا سا گفٹ ہے پلیز۔" لیکن شہزین پھپھو نے شاپر نہیں پکڑے تھے۔ وہ کچھ حیران سی مجھے دیکھ رہی تھیں' تب انیلا نے ہی کہا تھا۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اگرچہ عمر میں مجھ سے بڑی تھی۔ لیکن مجھ سے بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"نہیں بیٹا! یہ گفٹ میں کیسے لے لوں۔ تم پہلی بار میرے گھر آئی تھیں۔ میں بڑی تھی' مجھے تمہیں کچھ دینا چاہیے تھا نہ کہ تم سے لینا۔ اور پھر تم چھوٹی ہو چھوٹوں سے۔۔۔"

"پلیز پھپھو! انکار نہ کریں' میں نے بہت خلوص اور محبت سے یہ سوٹ خریدے ہیں۔ آپ انہیں پہنیں گی تو یقین جانیے مجھے بہت خوشی ہو گی۔" میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر التجا کی۔ لیکن وہ کچھ حیران سی مجھے

دیکھ رہی تھیں۔ شاید "پھپھو" نے انہیں حیران کردیا تھا۔

"تم کون ہو؟" وہ بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔ "اور یامین سے تمہاری دوستی اور تعلق کیسا ہے؟" میں سٹپٹا گئی۔

"یامین اور میں صرف یونیورسٹی فیلو ہیں بس' کوئی گہری دوستی اور تعلق نہیں ہے۔"

"دیکھو بیٹا!" ان کا لہجہ نرم اور دھیما تھا۔

"صرف یونیورسٹی فیلو کے گھر کوئی نہیں جاتا اور نہ ہی اس طرح گفٹ لے کے آتا ہے۔ تم مجھے اچھے شریف اور معزز گھرانے کی لگتی ہو' اگر یامین نے تمہیں کوئی خواب دکھائے ہیں تو سب جھوٹے ہیں۔ یہ گھر تم دیکھ چکی ہو۔ اور ہماری حالت بھی تم سے پوشیدہ نہیں رہی ہوگی۔ وقتی جذبات میں آکر آدمی کچھ نہیں سوچتا۔ لیکن یہ آسان نہیں ہے بیٹا! جہاں تک آچکی ہو وہاں سے ہی لوٹ جاؤ۔"

"نہیں' آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" میری پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔

"بیٹا! میری عمر اور تجربہ دونوں ہی تم سے زیادہ ہیں۔ یہ شاپرز اٹھالو اور آئندہ اس کے پیچھے مت آنا۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دے سکے گا۔ میں جانتی ہوں' وہ میرا بیٹا ہے۔"

"نہیں پھپھو! آپ غلط سمجھ رہی ہیں بالکل غلط۔" اب کچھ چھپانا ممکن نہیں رہا تھا۔

"میں اس کے پیچھے نہیں آپ کے لیے آئی ہوں۔ میں تجل زیدی ہوں' انوار الحسن زیدی کی پوتی اور ابرار کی بیٹی۔ جب یامین نے مجھے بتایا کہ اس کے ابا اور اماں کا نام شہزین اور ارتقا صفی ہے تو میں۔ دادی آپ کو بہت یاد کرتی تھیں۔ اور وہ مجھے آپ کے متعلق بتایا کرتی تھیں۔" میں تیز تیز بولے گئی تھی۔ وہ آنکھیں کھولے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر ان کے لب کانپے اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"پھپھو... پھپھو پلیز روئیں مت اور پلیز یامین کو مت بتائیے گا کہ میں نے آپ کو یہ بتایا ہے' وہ صرف اس شرط پر مجھے ملانے لایا تھا کہ میں یہ بات نہ بتاؤں کہ میں کون ہوں۔"

میں نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے اور انہوں نے گلے لگا کر میری پیشانی چومی تھی۔ اور بہت دیر تک اپنے گلے لگائے رہی تھیں۔ نیلی بھی حیران تھی کہ میں اس کے سگے ماموں کی بیٹی ہوں۔

جب وہ جذباتی کیفیت سے نکلیں تو انہوں نے دادی اماں' ڈیڈی سب کے متعلق پوچھا۔ اور میں بھی ہولے ہولے بتاتی رہی۔ میں جب بھی اٹھنے لگتی وہ مجھے بٹھا لیتیں۔

"تھوڑی دیر بعد چلی جانا' کچھ دیر اور بیٹھو۔"

"اب تو میں آتی رہوں گی۔" میں انہیں تسلی دے کر اٹھی تھی۔

"اور ہاں یامین نے صحیح کہا تھا' کبھی ارتقا اور عارفین کے سامنے ذکر نہ کرنا کہ تم کون ہو۔ وہ ہمیشہ سچ کہتا ہے۔ اس کی باتیں اچھی نہیں لگتیں' لیکن ہوتی حقیقت ہیں۔"

انہوں نے مجھے سمجھایا تھا اور جب میں واپسی کے لیے مڑی تو شہزین پھپھو امین کو آواز دے رہی تھیں کہ وہ مجھے اسٹاپ تک چھوڑ آئے۔ تب ہی یامین گھر میں داخل ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وہ میرے پاس آکر بالکل میرے سامنے کھڑا ہو کر مجھے کچھ دیر تک گھورتا رہا۔ پھر اس نے چارپائی پر پڑے شاپرز کو کھول کر دیکھا۔

"یہ تجل گفٹ لائی ہے ہمارے لیے۔" نیلی نے سہمی سہمی آواز میں بتایا۔

"تو یوں کہو ہمدردی کا بخار چڑھا ہے۔ تمہارے یہ دیے ہوئے سوٹ کتنے عرصہ تک میری ماں اور بہن پہنے گی اور کب تک ہمدردی کرتی رہو گی تم ان سے۔ جاؤ... جاؤ ان کپڑوں کو لے جاؤ۔ ہم اپنی گدڑی میں مگن اور مست ہیں۔"

اس کی آواز اچھی خاصی اونچی تھی۔ امین بھی آنکھیں ملتا ہوا کمرے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"اور یہ تم گھر پر کیا کر رہے ہو' کالج نہیں گئے ہیں

نے کیا سمجھایا ہے تمہیں کہ بلاوجہ چھٹی...'' وہ امین کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''آپ جانتی ہیں اماں! یہ میرا خواب ہے۔ میری امید ہے مجھے اپنی سب حسرتیں اسی پر پورا کرنا ہے۔ اسے وہ بنانا ہے جو میں نہیں بن سکا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔''

اس کا یہ روپ پہلی بار میرے سامنے آیا تھا۔ میں تو اسے ایک کھردرا اور سخت مزاج شخص ہی سمجھتی تھی اور میرا خیال تھا کہ اسے گھر کے کسی فرد سے محبت نہیں ہے۔

اب وہ اٹھ کر اس کے قریب جا کر اس کی پیشانی اور رخسار چھو رہا تھا۔

''ہوں اب بھی گرم ہے۔ چلو تمہیں ڈاکٹر کی طرف لے چلوں۔ اماں آپ کے پاس کچھ پیسے ہیں۔'' اس نے اپنی جینز کی پاکٹ سے ایک پرانا گھسا پٹا والٹ نکالا تھا۔

''میرے پاس صرف ایک سو بیس روپے ہیں۔ اب پتا نہیں ڈاکٹر کتنی دوائیاں دے دے اور۔''

''کچھ نہیں بھائی! حرارت ہوگئی ہے۔ اماں نے جوشاندہ بنا دیا تھا اور حکیم صاحب نے پڑیاں بھی دی تھیں۔ شام تک ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جاؤ آرام کرو۔''

''اچھا میں چلتی ہوں۔'' میں نے قدم اٹھایا۔

''یہ اپنی مہربانیاں بھی لے جاؤ' اور آئندہ اس طرح کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یامین بیٹا! وہ اتنے خلوص اور محبت سے لائی ہے اور تم مسلسل اس کی توہین کر رہے ہو۔''

''اماں! آپ...'' اس نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔ جیسے اسے ان کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔ پھر فوراً سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ جان چکی ہیں کہ۔

''دیکھ لیں۔ آپ کے شوہر نامدار کو بھولا ہوا خیال پھر نہ آجائے کہ آپ کو شرعی حصہ لینا چاہیے اپنے باپ کی جائیداد میں سے' ان سے کچھ بعید نہیں۔''

پھپھو کا چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ ''آدمی کو سچ بولنا چاہیے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ دوسرے کو تکلیف ہو۔''

میرے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ تب ایک غصیلی نظر مجھ پر ڈال کر وہ ماں کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''تم بے فکر رہو۔ میں تمہارے ابا سے اس کا ذکر نہیں کروں گی۔'' میں نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''نہیں پھپھو! پلیز آپ بیٹھیں۔''

میں نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا اور تیزی سے چھوٹا سا صحن پار کرکے دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔ میں اپنے دھیان میں مگن اسٹاپ پر کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی' جب مجھے اپنے پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

''ناراض ہو؟'' میں نے مڑ کر دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرے خیال میں ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے کہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں۔ تم نے جو کیا ٹھیک تھا۔''

''یار میں بھی کیا کروں کبھی کبھی حد سے گزر جاتا ہوں سوری۔'' خلاف معمول وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔

میرے اندر اتنا غصہ اور اتنی ناراضی ہے کہ کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس ساری دنیا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دوں۔ تم نہیں جانتیں میرے ابا کو' وہ باہر سے جتنا نیٹ اور کلین ہے اندر سے اتنا ہی میلا ہے۔ لالچی وغیرہ لیکن۔'' وہ زور سے ہنسا۔ ''کبھی کامیابی نہیں ملی اسے۔ اس روز سنا نہیں تھا مجھ سے کیا کہہ رہا تھا۔''

''وہ تمہارے ابا ہیں یامین! ادب اور احترام سے بات کرو۔''

''اچھا اس وقت بحث نہیں' اماں نے بھیجا تھا کہ ان کی بھتیجی کو گاڑی تک چھوڑ آؤں۔''

اس رات بھی میں بہت دیر تک جاگتی رہی تھی اور



میں نے زرمینہ کو بھی اس راز میں شریک کرلیا تھا' کیونکہ زرمینہ کو میرا یامین سے بات چیت کرنا بالکل پسند نہیں تھا۔

''یامین دراصل ایسا نہیں ہے جیسا نظر آتا ہے اندر سے وہ بہت مختلف ہے۔'' میں نے زرمینہ سے کہا تھا۔

''کہیں تم اپنی پھپھو کی کہانی نہ دہرا دینا۔'' اس نے مجھے تنبیہہ کی تو میں ہنس پڑی۔

''نہیں یار... یہ دراصل خون کی کشش ہی تھی جو میں یامین کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اور پھر یامین کی وہ سچی اور کھردری باتیں بھی مجھے اٹریکٹ کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے درمیان کچھ نہیں ہے۔''

☼ ☼ ☼

''اماں آج پوری رات نہیں سوئیں۔'' صبح یامین نے مجھے بتایا تھا۔

''ان کی طبیعت کچھ خراب تھی' پھر کھانسی بھی آتی رہی۔''

''میں چلوں تمہارے ساتھ انہیں دیکھنے؟''

''نہیں۔'' اس نے سختی سے کہا تھا۔

''اماں کو تم نے بہت ڈسٹرب کردیا ہے۔ پتا نہیں کیسے انہوں نے سب کو بھلایا ہوگا۔''

''کوئی اپنے پیدا کرنے والوں اور اپنے ساتھ پیدا ہونے والوں کو نہیں بھول سکتا یامین! ہاں بھولنے کی کوشش ضرور کرسکتا ہے۔'' میں نے کہا تھا۔

''پھر بھی یار انہوں نے خود کو سنبھالا ہوا تو تھا نا۔ رات میں پانی پینے کے لیے اٹھا تو وہ اپنی چارپائی پر بیٹھی رو رہی تھیں۔''

''سوری یامین!'' میں افسردہ سی ہوگئی۔

''اور امین... وہ کیسا ہے؟''

''اب ٹھیک ہے۔'' اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

اس روز اس نے مجھے گھر آنے سے منع کردیا تھا۔ لیکن ہفتہ بھر بعد وہ خود ہی مجھ سے کہہ رہا تھا۔

''چلو آج میرے ساتھ گھر' اماں تمہیں کئی بار پوچھ چکی تھیں۔''

اور میں زرمینہ کو بتا کر اس کے ساتھ چلی گئی۔

''ابا آج راولپنڈی گئے ہوئے ہیں اپنی پارٹی کی کسی ریلی میں شرکت کرنے۔ مجھے سیاست اور سیاسی پارٹیوں سے نفرت ہے۔ انسانی کھوپڑیوں کے مینار پر چنگیز خان کی طرح اپنی فتح کا محل قائم کرنے والے۔'' اس نے اپنے ابا کے متعلق بتاتے ہوئے کہا تھا۔

پھپھو بہت خوش ہوئی تھیں۔

''تم پھر آئی نہیں۔'' انہوں نے گلہ کیا تو میں شرمندہ ہوگئی۔

''بس مصروفیت رہی۔''

''جب تک یہاں ہو آتی رہا کرو۔'' ان کی آنکھیں حسرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ ایسا ہی کروں گی۔

''سجل! اماں کے بارے میں مجھے بتاؤ۔ وہ مجھے... میرے متعلق کیا کہتی تھیں۔'' اس روز وہ صرف دادی کے متعلق پوچھتی رہی تھیں اور اس روز میں نے امین سے بھی بہت باتیں کی تھیں۔ وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ یامین مجھے گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اسے عبدالوحید کے معذور باپ کو اسپتال لے کر جانا تھا۔

''امین تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ آئے گا۔'' جاتے جاتے اس نے کہا تھا۔

اس روز میں عارفین سے بھی ملی تھی۔ دیکھنے میں وہ بالکل ارتقا صفی جیسا ہی تھا۔ اس روز وہ اپنے آفس سے جلدی آگیا تھا۔ مجھے برآمدے میں پھپھو کے پاس چارپائی پر بیٹھے دیکھ کر بے حد حیران ہوا تھا۔ آج بھی ہم برآمدے میں بیٹھے تھے' کیونکہ نیلی چائے بنا رہی تھی اور پھپھو چارپائی پر بیٹھی کسی دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنا رہی تھیں۔ اور اس روز مجھے پتا چلا تھا کہ پھپھو یہ کام بھی کرتی ہیں۔

''اندر کمرے میں اندھیرا ہوتا ہے' یہاں روشنی میں کام کرلیتی ہوں' بیٹھے بیٹھے دو چار پیسے مل جاتے ہیں۔'' انہوں نے سادگی سے بتایا تھا۔

"تم چلو اندر کمرے میں ہی چلتے ہیں۔"

"نہیں پھپھو! یہیں ٹھیک ہے۔"

میں ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ اور تب ہی عارفین آیا تھا۔ وہ ان کو سلام کرکے سیدھا کمرے میں چلا گیا تھا۔

"نیلی! پہلے بھائی سے کھانے کا پوچھ لے پھر چائے بنانا۔"

اور جب نیلی اسے کمرے میں کھانا دینے گئی تھی تو میں نے سنا وہ نیلی سے میرے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"یامین کی کلاس فیلو ہے۔"

"لیکن وہ گھر کیوں لایا ہے احمق بیوقوف۔" گو اس نے دبی دبی آواز میں کہا تھا۔ لیکن کمرہ کون سا دور تھا اور کھلے دروازے سے اس کی آواز باہر تک آئی تھی اور پھپھو نے میری طرف دیکھا تھا۔

"عارفین' یامین سے بالکل مختلف ہے۔ سنجیدہ اور سمجھ دار۔ اسے گھر کی حالت کا' نیلی کا' میرا سب کا احساس ہے۔ اگر وہ اس وقت جاب نہ کرتا تو فاقوں کی نوبت آجاتی۔ میں تو چارپائی پر پڑی تھی اور تمہارے انکل کو کام کی کبھی عادت نہیں رہی۔ جب تک میرا زیور رہا وہ کام آتا رہا۔ پھر۔۔۔ خیر چھوڑو۔ تم گھر کب جا رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا تھا۔

"دس' پندرہ دن تک۔"

"کاش میں اپنی آنکھیں تمہارے ہمراہ کر سکتی اور بھیا کو' بھابھی کو دیکھ لیتی۔ مجھے بھیا کی شادی کا بہت ارمان تھا اور میں نے دل ہی دل میں ان کی شادی کے پتا نہیں کیا کیا پروگرام بنا رکھے تھے۔"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔ عارفین کھانا کھا کر باہر ہی آگیا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بے مقصد نیلی کے پاس کھڑا رہا' پھر اس نے صحن کا چکر لگایا اور کمرے میں چلا گیا۔

"میں عارفین کو تمہارے متعلق نہیں بتا سکتی' کیونکہ وہ بھی سمجھتا ہے کہ مجھے اپنے حق کے لیے کیس کر دینا چاہیے۔ اپنی پسند کی شادی میرا حق تھا اور اپنے باپ کی وراثت میں بھی میرا حق ہے۔"

"کہتے تو وہ صحیح ہیں۔" میں نے دبی زبان میں کہا تھا۔

"آپ کہیں تو میں ڈیڈی سے بات کروں؟"

"نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر مجھے دیکھا تھا۔

"وہ سب میں نے خود چھوڑا تھا۔ میں نے جب ان کی عزت و آبرو کا خیال نہیں کیا تو پھر مجھے یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ میں ان کی جائیداد سے کچھ لوں۔ یوں بھی ابا جان نے مجھے بے حساب زیور دیا تھا۔ ایک لاکھ نقد ارتقا کو سلامی دی تھی اور مجھے بھی جہیز کے علاوہ نقد رقم دی تھی۔ لیکن سب ہولے ہولے ختم ہو گیا۔ ایک ایک چیز بیچ دی ارتقا نے۔" پھپھو نے تو مجھے منع کر دیا تھا۔ لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ میں ڈیڈی سے بات ضرور کروں گی۔ لیکن پہلے اماں سے۔۔۔ اور اماں حیران رہ گئی تھیں۔

"تم۔۔۔ تمہیں کہاں ملی شہزین؟ اور تم نے کیسے جانا کہ وہ شہزین ہی ہے تمہاری پھپھو' جبکہ تم نے کبھی اسے دیکھا تک نہیں۔" اماں کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"ان کا نام' ان کی ولدیت' ان کے دادا کا نام بھائی کا نام' سب کچھ تو وہی تھا تا پھر یقین کرنا اور پہچاننا کیا مشکل تھا۔"

"تمہیں اس سے راہ و رسم نہیں رکھنا چاہیے سحل۔"

"اماں! میں صرف ایک بار ملی ہوں ان سے۔" میں نے جھوٹ بولا۔ وہ ماں تھیں خوفزدہ ہو گئیں۔

"اماں وہ بہت اچھا لڑکا ہے اور سب سے چھوٹا تو بالکل ڈیڈی جیسا ہے۔"

لیکن اماں نے مجھے سختی سے منع کر دیا اور میری مزید بات بھی نہ سنی' کیونکہ انہیں کلب جانا تھا۔ اور میں انہیں بتا ہی نہ سکی کہ پھپھو کن حالات میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ لیکن اگلی بار جب میں پریوں کا فاتحہ دے کر گھر آئی تو میں نے ڈیڈی کو بتایا۔

"ڈیڈی! آپ کو پتا ہے شہزین پھپھو کوئی بی ہے اور ان کے مالی حالات بہت خراب ہیں۔"



اور لقمہ منہ کی طرف لے جاتے ڈیڈی حیرت سے مجھے دیکھنے لگے تھے۔ اماں نے مجھے گھورا تھا' لیکن اس لمحے میں نے اماں کی طرف دیکھا ہی نہیں اور اطمینان سے چاول اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے بتاتی رہی۔ حالانکہ میں ڈیڈی سے بہت بے تکلف نہیں تھی۔ لیکن کھانے کی ٹیبل پر ناشتہ یا لنچ اور ڈنر کرتے ہوئے ان سے بات چیت ہو جاتی تھی۔ میری بات سننے کے بعد انہوں نے وہی اماں والی بات کی تھی۔

"تمہیں وہ کہاں مل گئی؟"

اور میں نے انہیں یامین کے متعلق بتایا تھا۔

"ڈیڈی کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ انہیں معاف کر دیں اور۔۔۔"

"نہیں۔" انہوں نے سختی سے کہا تھا۔

"جو رشتے ٹوٹ جائیں وہ پھر نہیں جڑتے۔"

"یہ کوئی کلیہ تو نہیں ہے ڈیڈی! اگر کوئی جوڑنا چاہے تو جڑ بھی سکتے ہیں اور پھر خون کے رشتے تو ٹوٹنے سے بھی نہیں ٹوٹتے۔ آپ انہیں معاف کر دیں پلیز۔"

"کیا اس نے تم سے ایسا کہنے کو کہا ہے۔" انہوں نے عینک کے شیشوں کے پیچھے سے مجھے گھورا تھا۔

"نہیں۔ وہ تو آپ سے اتنی شرمندہ ہیں کہ کبھی نظر نہیں ملا سکتیں' آپ کا سامنا نہیں کر سکتیں۔"

"سحل۔" ان کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

"میں اب تمہارے منہ سے ان کا ذکر نہ سنوں۔"

"جی ڈیڈی! میں ان کا ذکر نہیں کروں گی' لیکن ڈیڈی ان کے حالات بہت خراب ہیں۔ آپ ان کا حق تو انہیں دے دیں۔ شرعاً" جو حق بنتا ہے۔ ہمارے پاس اتنا کچھ ہے ہمارا اپنا حصہ ہی ہمارے لیے کافی ہے اور پھر ہم ان کا حق کیوں ماریں۔" ڈیڈی نے پورے تحمل سے میری بات سنی تھی۔

"اور یہ بات تمہیں شہزین نے کہی ہے۔"

"خدا کی قسم ڈیڈی! ایک بار بھی نہیں۔۔۔ نہ ہی پھپھو نے نہ یامین نے یہ تو مجھے خود خیال آیا تھا کہ اس زمین' جائیداد میں جو ہمارے پاس ہے ان کا بھی حق ہے۔"

"وہ اپنا حق لے چکی ہیں۔"

"جہیز اور زیورات کی شکل میں؟" میرے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"نہیں۔ زمین اور جائیداد میں بھی۔ ان کی شادی کے تین سال بعد ہی خود ابا جان نے شرعاً" جو ان کا حق بنتا تھا' اس کا تخمینہ لگا کر نقد رقم ارتقا کو دے دی تھی۔ جو تقریباً" پندرہ لاکھ روپے بنی تھی۔ اور تب پندرہ لاکھ روپے کی بھی کوئی اہمیت تھی۔ ارتقا آیا تھا لینے ابا جان کے پاس۔"

"پندرہ لاکھ۔" میں نے حیرت سے سوچا تھا۔

اور وہ پندرہ لاکھ کدھر گئے' اس کا علم کسی کو نہ تھا۔ جب میں نے یامین اور پھپھو سے بات کی تھی تو وہ دونوں حیران رہ گئے۔

"یقین نہیں آتا۔" یامین نے کہا تھا۔

"ابا کے پاس پندرہ لاکھ تھے تو انہوں نے وہ کہاں خرچ کیے۔ ہم تو سسکتے ہی رہے' ترستے رہے ہر چیز کے لیے۔"

"اور اگر وہ پندرہ لاکھ کے سیونگز سرٹیفکیٹ ہی لے لیتے تو بیس سالوں بعد وہ دو کروڑ سے زیادہ ہو چکے ہوتے۔" امین نے دو منٹوں میں حساب لگا لیا تھا۔

"نیلی آپا کی شادی دھوم دھام سے ہوتی ہم سب۔"

اور یامین نے اسے ٹوک دیا تھا۔

"نیلی کی شادی اب بھی دھوم دھام سے ہوگی' ان شاءاللہ۔"

تب پھپھو نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔ انہیں نیلی کی بہت فکر تھی جو ستائیس سال کی ہو رہی تھی۔

پھر جب پھپھو نے ارتقا صفی سے ان پندرہ لاکھ کا پوچھا تو پہلے تو وہ مکر گئے اور جب پھپھو نے بتایا کہ انہیں بھیا نے بتایا ہے کہ میرا حصہ آپ وصول کر چکے۔

"ارے کیا حصہ' پندرہ لاکھ کی حقیقت ہی کیا ہے۔ تمہارے باپ نے دھوکہ کیا میرے ساتھ۔۔۔ اور اب بھائی سے رابطہ کیا ہے تو مانگو اپنا حصہ۔ فیکٹری میں سے

تو تمہارا حصہ نہیں دیا۔ اور وہ جو چمڑے کی ٹینڈری ہے۔"

"وہ سب بھیا کی ذاتی ہیں اور میری شادی کے بعد انہوں نے بنائی ہیں۔ وہ ابا جان کی جائیداد نہیں ہیں۔" اور جب پھپھو نے یہ سب مجھے بتایا تھا تو بہت روئی تھیں۔ وہ پندرہ لاکھ کہاں گئے تھے، اس کے متعلق ارتقا صفی نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

☼ ☼ ☼

یامین نے ان دنوں ایک کم معروف روزنامے میں سیاسی کالم لکھنا بھی شروع کر دیا تھا اور سیاست دانوں پر بلاخوف تبصرے کرتا تھا۔ اسے لکھنے کا فن آتا تھا اور وہ یونیورسٹی میگزین کا بھی مدیر بن گیا تھا۔

"یار! تم کیوں نہیں لکھتی ہو اتنا ٹیلنٹ ہے تم میں۔" ایک روز اس نے مجھے اکسایا تھا۔

"لیکن کیا لکھوں میں۔"

تب اس نے کئی موضوعات مجھے دیے تھے۔ اور جب میں نے اسے اپنا لکھا ہوا آرٹیکل دیا تھا تو وہ اچھل پڑا۔

"تم نے تو کمال کر دیا۔"

"مذاق کر رہے ہو۔" میں سنجیدہ ہو گئی۔

"خدا کی قسم نہیں۔ اسے میں نے میگزین کے لیے رکھ لیا ہے۔"

ان دنوں وہ شاعری بھی کرنے لگا تھا اور اس کی وہ آزاد نظمیں یونیورسٹی میں بہت مقبول ہو گئی تھیں جو سالانہ تقریبات میں' مشاعروں میں اس نے پڑھی تھیں۔ میں نے اسے تقریریں کرتے، شعر سناتے اور ہر ایکٹیویٹی میں شرکت کرتے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً" ایک ٹیلنٹڈ لڑکا تھا۔ لیکن اپنی مصروفیات کے باوجود وہ میرے ڈیپارٹمنٹ میں آنا نہ بھولتا اور ہم ہر روز گھنٹہ دو گھنٹہ کسی جگہ بیٹھ کر باتیں کرتے۔

"یہ ملاقاتیں ایک دن ضرور رنگ لائیں گی۔" زرمینہ نے ایک دن تبصرہ کیا تھا۔

"لیکن کیا تم یقین کرو گی بی بی! کہ ان ملاقاتوں میں ہم ہر موضوع پر بات کرتے ہیں مگر یہ موضوع ہمارے درمیان کبھی نہیں چھڑا۔"

"کیا یہ ضروری ہے یامین! کہ انسان اپنی غربت کا اظہار ہر وقت کرتا رہے اور اپنے ماتھے پر تختیل لگائے رکھے کہ وہ غریب ہے۔" ایک روز میں نے کہا تھا۔

"کیا مطلب۔" اس نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر تم اس شرٹ کو دھلوا لو جو مسلسل چار دن سے پہن کر آ رہے ہو تو تم امیر نہیں نظر آنے لگو گے۔"

"اوہ۔ دراصل نیلی کو بخار تھا نا۔" پہلی بار میں نے اسے شرمندہ ہوتے دیکھا۔

"اور یہ اتنے لمبے بال بھی کوئی غربت کا اشتہار نہیں ہیں۔"

"مائی گاڈ یہ بال تو۔" پھر وہ ہنسنے لگا تھا۔ "میں نے یونہی بڑھا لیے تھے دراصل جب میں داؤد صاحب کے پاس تھا نا تو شعر و شاعری کی محفلوں میں ان کے ساتھ جاتا تھا' وہاں ایک دو لڑکے لمبے بالوں والے آتے تھے تو بس میں نے بھی۔"

"اور پھر دو' تین روز بعد میں نے دیکھا اس نے اپنے لمبے بال کٹوا لیے تھے۔

"واؤ بہت زبردست لگ رہے ہو یامین۔" مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس کو میری ناپسندیدگی کا احساس ہوا تھا' تب ہی تو۔ اور یہ انہی دنوں کی بات تھی' جب یونیورسٹی میں میرا اور اس کا نام اکٹھا لیا جانے لگا تھا۔ میں شروع میں گھبرائی لیکن اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔

"لینے دو نام' تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

"لیکن ہم تو صرف دوست ہیں یامین اور پھر کزن' لیکن تم نے سنا تھا علی گروپ نے لو برڈز کا نعرہ لگایا تھا جب ہم وہاں سے گزرے تھے۔"

"سو واٹ۔" اسے ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ "دوست تو ہم ہیں' رہی کزن والی بات تو اس رشتے کو میں نہیں مانتا۔ ہاں اگر تمہیں ان ظاہر دیکھنے والے لوگوں کی پروا ہے تو میں کل سے نہیں آؤں گا تمہاری طرف۔"

"نہیں۔ نہیں۔"

میں نے بے اختیار کہا تھا اور پھر میں نے بھی لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ اب تو اگر وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے یونیورسٹی میں ملاقات نہ کر پاتا تو ہم اکٹھے کہیں باہر چلے جاتے۔ باہر جانے سے مراد یہ نہیں تھا کہ ہم کہیں کسی پکنک پوائنٹ پر یا کسی ہوٹل میں جا کر بیٹھتے تھے بلکہ اسے جہاں کہیں کام ہوتا' وہ مجھے بھی ساتھ لے جاتا۔

"چلو یار! راستے میں گپ شپ لگا لیں گے۔"

اور مجھے اس کے ساتھ جانا اچھا لگتا تھا۔ وہ اب اس غیر معروف اخبار کے علاوہ ایک اچھے اخبار میں بھی لکھنے لگا تھا۔ کبھی کوئی فیچر' کبھی کوئی آرٹیکل' کوئی تبصرہ۔ وہ فری لانسر کے طور پر کام کر رہا تھا۔

"مجھے امین کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔ ایف ایس سی کر لے تو پھر انٹری ٹیسٹ کے لیے اسے اکیڈمی جوائن کروانی ہے اور تمہیں پتا ہے نا ان اکیڈمیز کی فیس کتنی زیادہ ہیں۔

اور پھر نیلی کے لیے ایک رشتہ آیا ہے' مجھے کچھ زیادہ پسند تو نہیں لیکن لڑکا اچھا ہے۔ شاہ عالمی میں کسی جوتوں کی دکان پر ملازم ہے۔ ماں کہتی ہیں' اچھے رشتے کے انتظار میں نیلی کی عمر گزری جا رہی ہے اور ہمارے جیسے گھروں میں اس سے بہتر رشتے نہیں آ سکتے تو یار اس کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہے۔ اماں نے عارفین کی تنخواہ میں سے بیسی ڈال رکھی ہے' کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

اور یوں میں جو سمجھتی تھی کہ اسے گھر اور گھر کے افراد سے کوئی دلچسپی نہیں' سوائے امین کے۔ اس کی اس سوچ پر حیران ہوتی اور سراہتی تھی۔ پتا نہیں سب کا خیال اسے شروع سے تھا یا اب آیا تھا لیکن اب وہ اپنی ذات اور زمانے کے گلے کے علاوہ امین' نیلی اور عارفین کی باتیں بھی کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس روز میں سر حمید کی کلاس لے کر باہر نکلی تو وہ تیز تیز چلتا ہوا میری طرف آیا۔

"سنو! کہاں جا رہی ہو؟"

"صبح ٹھیک سے ناشتہ نہیں کیا تھا تو اب ذرا پیٹ پوجا کریں گے۔ میڈم زبیری تو آج آئیں نہیں تو یہ پیریڈ فارغ ہی ہے۔" میں نے بتایا۔

"تو چلو پھر میرے ساتھ۔ میں نے ایک فیچر لکھنا ہے۔ ٹھیک ٹھاک پیسے ملنے کی امید ہے۔"

"لیکن۔ وہ۔ اس کے بعد ڈاکٹر ضیاء کا پیریڈ ہے اور وہ بہت سخت ہیں۔"

"چھوڑو یار! ایک دن ڈانٹ کھا لینا۔"

اور میں چپ چاپ اس کے ساتھ چل پڑی۔ آج زرمینہ نہیں آئی تھی اور اس نے مجھے خاص تاکید کی تھی کہ ڈاکٹر ضیاء کا لیکچر مس نہ کروں۔

"وہ تمہاری "نصف بہتر" کہاں ہے؟"

اور مجھے اس کے "نصف بہتر" کہنے پر ہنسی آ گئی۔

"اسے فلو تھا' ہوسٹل میں ہی ہے۔"

"ویسے یار! وہ تمہاری خیر بیویوں کی ہی طرح رکھتی ہے۔"

حسب معمول ساتھ چلتے ہوئے وہ باتیں کرتا جا رہا تھا۔

"تم جا کہاں رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔ "اور یہ بائیک کس کی ہے؟"

وہ پارکنگ سے بائیک نکال کر لایا تو میں نے حیرت سے کہا۔

"یہ بائیک ارتضیٰ کی ہے اور جا کہاں رہا ہوں تو یہ جو پاور لوم فیکٹریاں ہیں ادھر ادھر بنی ہوئی ان کے اندر کے حالات پر کچھ لکھنا ہے۔"

"بڑے کارخانوں کے حالات پر لکھو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"وہاں تو بہت ہی استحصال ہو رہا ہے یار! لیکن وہاں جو لوگ کام کرتے ہیں' اندر کے صحیح حالات نہیں بتاتے۔ کوئی بھی مل اونر میرے خیال میں ایسا نہیں ہے جو بین الاقوامی لیبر لاء کے مطابق اپنے کارکنوں سے سلوک کرتے ہوں اور کارکن لب سی لیتے ہیں کہ

کہیں وہ دال روٹی سے بھی نہ جائیں۔ پچھلے دنوں میں ایک کارخانے میں گیا تھا تو وہاں کے حالات بڑے خراب تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے جن کی عمریں اٹھارہ سال سے کم تھیں' اندر کام کر رہے تھے۔ کیمیکل کا کارخانہ تھا' کم عمر بچوں کے لیے تو ویسے بھی ممنوع ہے وہاں کام کرنا۔ پتا چلا کہ یہ بچے متاثرین زلزلہ میں سے ہیں۔ جب میں نے اونر سے بات کی تو وہ اس سے لاعلم تھا۔ وہ ایک نیک اور مخیر شخص ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ بچے نہ لگائے جائیں لیکن یہ ٹھیکیدار کا کام ہے۔ ہم تو ٹھیکیدار سے کام لیتے ہیں۔ یہ ٹھیکیدار بھی بہت کمینے ہوتے ہیں۔ آدھا کمیشن تو خود رکھ لیتے ہیں۔ بچوں کو آدھی سے بھی کم تنخواہ دیتے ہیں جبکہ اوپر سے پوری وصول کرتے ہیں۔"

وہ مجھے تفصیل بتاتا رہا۔ گو مجھے اس سب سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن میں تو صرف اس کا ساتھ دینے کے لیے اس کے ساتھ آجاتی تھی۔ پتا نہیں کیوں مجھے اس کے ساتھ چلنا' اس کی رفاقت اتنی پسند کیوں تھی۔

اس روز پہلے ہم ایک لوم فیکٹری میں گئے تھے۔ آٹھ لوم تھے جن پر ایک وقت میں دو کاریگر کام کر رہے تھے۔ ایک شخص کی رہنمائی میں ہم اندر گئے تھے۔

"ایک کاریگر بیک وقت چار لوم سنبھالتا ہے۔" اس نے ہمیں بتایا تھا۔

وینڈنگ مشینوں پر بابین بھرنے کا کام ایک گیارہ بارہ سال کا لڑکا کر رہا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے بھری ہوئی بابنیں اتار کر خالی لگا دیتا تھا۔ وہ ایک خوبصورت لڑکا تھا۔

اور یامین کا مقصد اسی بچے سے ملنا تھا۔ وہ بہت دیر تک بچے سے باتیں کرتا رہا۔ بچے کا نام شیر علی تھا پھر اس کے رخسار تھپتھپا کر وہ باہر نکل آیا۔ شام چار بجے تک ہم اس سے ملتی جلتی جگہوں پر گئے تھے۔ آخری فیکٹری سے جب ہم نکل رہے تھے تو مجھے لگا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔

"یامین۔۔۔" میں نے آہستگی سے کہا تھا۔ "میں اب بھوک سے فوت ہونے والی ہوں۔"

"اوہ سوری! تم نے بتایا تو تھا کہ تم نے ناشتہ نہیں کیا۔ چلو پہلے کہیں چل کر کچھ کھاتے ہیں پھر تمہیں تمہارے ہوسٹل چھوڑ آتا ہوں لیکن میرے پاس تو۔۔۔" اس نے والٹ کھول کر دیکھا۔

"یہ صرف چالیس روپے ہیں۔"

"تم چلو تو پیسے ہیں میرے پاس۔"

اور پھر جو قریب ترین ہوٹل ہمیں ملا' ہم اس میں چلے گئے۔

"یہاں کی چکن کڑاہی اچھی ہوتی ہے اور ماش کی دال۔" اس نے بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے وہی منگوا لو۔"

پھر کھانا کھاتے ہوئے مجھے لگا تھا جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے اور جب میں نے سر اٹھا کر دائیں طرف دیکھا تو وہ عارفین تھا۔

"یہ ادھر عارفین بھائی ہیں۔ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں' مجھے پتا ہے' میں نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ یہ ہوٹل اس کے آفس کے رستے میں پڑتا ہے۔"

پھر وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ہولے سے ہنسا تھا۔

"ویسے یہ تم لڑکیاں ایک اس شخص کے سوا سب کے ساتھ فوراً "ہی بھائی" کا لاحقہ لگا لیتی ہو جس کے لیے تمہارے دل میں کھوٹ ہوتا ہے۔"

"اور میں تمہارے نام کے ساتھ بھائی نہیں لگاتی تو کیا میرے دل میں تمہارے لیے کھوٹ ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"تم اسے کھوٹ کے بجائے محبت بھی کہہ سکتے تھے۔" بے اختیار میرے لبوں سے نکلا تھا۔

"تو کیا تمہارے دل میں میرے لیے محبت ہے؟"

وہ کہنیاں میز پر ٹکائے تھوڑا سا میری طرف جھکا تھا' مجھے اپنا چہرہ گرم ہوتا محسوس ہوا۔ اس کی سیاہ سحر طاری کرتی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔ تب ہی عارفین ہماری میز کے پاس آکر کھنکارا تو وہ سیدھا ہو گیا۔



"بڑی عیاشیاں ہو رہی ہیں۔"

بظاہر اس نے کڑاہی کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن اس کا جملہ ذو معنی تھا اور اس نے کن اکھیوں سے مجھے دیکھا۔

"اور تم بھی غالباً "یہی عیاشی" کر رہے تھے۔"

ایک لمحہ کو عارفین لاجواب ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر ایک زہرخند سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر اس نے جو کچھ کہا' میں سن نہ سکی تھی کیونکہ میں بیرے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو پلیٹ میں بل لیے کھڑا تھا۔ البتہ میں نے یامین کے چہرے کو سرخ ہوتے اور پھر یکدم اسے کھڑا ہوتے دیکھا تھا۔

"آؤ سجل۔۔۔"

اور اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"عارفین نے کیا کہا تھا' تم غصے میں لگ رہے تھے۔"

"کچھ نہیں۔" اس نے لب بھینچ لیے۔

"ہر آدمی اپنی سوچ کے مطابق بات کرتا ہے اور عارفین نے بھی اپنی ذہنی سطح کے مطابق ہی بات کی تھی۔"

میں نے بھی اصرار نہیں کیا' میں جانتی تھی کہ اب وہ کچھ نہیں بتائے گا پھر ہاسٹل گیٹ کے پاس مجھے اتارتے ہوئے اس نے بتایا تھا۔

"اماں کل تمہارا پوچھ رہی تھیں' شاید بہت دنوں سے تم نے گھر چکر نہیں لگایا۔ سجل! مدت بعد تمہارے وجود میں اماں کو کوئی خوشی ملی ہے۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے اماں کو خوش دیکھا ہے۔ کبھی چکر لگا لینا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور اپنی بات مکمل کر کے وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔

"ڈونٹ وری' عارفین کی بات سوچ سوچ کر پریشان مت ہوتی رہنا' اس نے جو کچھ کہا تھا' وہ مجھ سے کہا تھا۔ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ تو کب آؤ گی؟"

"شاید اتوار کو' اگر زرمینہ نے کہیں جانا نہ ہوا تو۔"

میں اب کبھی کبھار زرمینہ کے ساتھ ہی پھپھو چلی جاتی تھی۔

"نہیں تو مجھے بتا دینا' میں لے جاؤں گا۔"

اور اس رات میں دیر تک سوچتی رہی کہ عارفین نے بھلا کیا کہا ہوگا۔ ضرور کوئی فضول بات ہی ہوگی جب ہی تو یامین کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور عارفین خود یہاں مزے سے کڑاہی کھا رہا تھا۔ گھر میں شاید کوئی سبزی یا دال پکی ہوگی اور ایک یامین تھا' اس نے صرف ماش کی دال کھائی تھی۔

"پیٹ ہی تو بھرنا ہے نا یار!"

ایک بار اس نے کہا تھا۔

اور آج بھی اس نے کڑاہی گوشت چکھا تک نہ تھا بلکہ ہماری پلیٹ ایسے ہی ٹیبل پر پڑی تھی۔ میں نے بھی چند نوالے ہی لیے تھے' مجھے ماش کی دال اچھی لگی تھی۔

اور اس کی یہی باتیں مجھے اٹریکٹ کرتی تھیں۔

"عارفین کی نیچر ابا سے ملتی ہے۔" ایک بار اس نے بتایا تھا۔ "لیکن اماں کے دودھ کا اثر بھی ہے اس میں وہ ارتقا صفی جیسا ہی ہے بائے نیچر۔" اور یامین کا تجزیہ غلط نہیں ہوتا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں اتوار کو زرمینہ کے ساتھ پھپھو سے ملنے آئی تھی اور ہمیشہ کی طرح تھوڑی سی چیں چیں کر کے زرمینہ تیار ہو گئی تھی۔ ہم نے راستے سے دودھ اور جوسز کے ڈبے' بیکری کا سامان' پھل وغیرہ خریدے تھے۔ دو تین بار سے میں یہ سب خرید کر لے آتی تھی۔ مجھے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ یہ جو پھپھو کی بیماری بار بار عود کر آتی ہے تو اس کی وجہ ناکافی خوراک بھی ہے۔ ٹی بی کے مریض کے لیے تو دودھ' فروٹ اور اچھی خوراک کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ پھپھو نے

ہر بار ہی ناراضی کا اظہار کیا تھا اور مجھے کچھ لانے سے منع کیا تھا لیکن میں نے سوچ رکھا تھا کہ جب تک میں یہاں ہوں تو جتنا کر سکتی ہوں ‘کروں گی۔

دروازہ عارفین نے کھولا تھا۔ نیلی صحن میں جھاڑو دے رہی تھی۔ مجھے لگا تھا جیسے عارفین کی آنکھیں چمکنے لگی ہوں۔

”آیئے آیئے جناب!“ اس کا لہجہ بھی بدلا بدلا تھا۔

نیلی جھاڑو صحن کے ایک کونے میں رکھ کر ہماری طرف آگئی۔

”ارے تجل! تم پھر اتنا کچھ اٹھا لائی ہو۔“

”کچھ نہیں ‘بس پھپھو کے لیے دودھ وغیرہ ہے۔“ میں نے آہستگی سے کہا تھا۔

”آپ کو تو پتا ہے نیلی! پھپھو کو اچھی خوراک کی کتنی ضرورت ہے۔“

اس نے خاموشی سے سب شاپرز برآمدے میں بنے شیڈ پر رکھ دیے تھے۔

”اماں یہ ذرا دوسری گلی تک گئی ہیں کروشیے کا کام لینے ‘ابھی آتی ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“

میں اور زرمینہ ہمیشہ کی طرح برآمدے میں پڑی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ چولہے پر دیگچی دھری تھی۔ شاید اس نے سالن بنا لیا تھا۔

”سکنجبین بنا لوں آپ کے لیے؟“ نیلی نے پوچھا۔

”میں بوتلیں لے آتا ہوں۔“

عارفین کمرے کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

”نہیں نہیں عارفین بھائی! ہم کچھ نہیں پئیں گے بلکہ نیلی! بتاؤ کیا پکایا ہے۔“

”مسور کی پتلی دال ہے۔“

اس نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا تھا۔

”تو پھر آج ہم کھانا کھا کر جائیں گے۔“ میں نے بے تکلفی سے کہا تھا۔ نیلی نے صرف سر ہلایا تھا۔

نیلی نے برآمدے میں ہی شیڈ کے نیچے پڑے کنستر سے آٹا نکالا اور گوندھنے لگی۔ زرمینہ کو واش روم جانا تھا جو صحن میں ہی تھا‘ وہ چلی گئی تو عارفین یک دم دروازے کے پاس سے ہٹ کر چارپائی کے قریب آکھڑا ہوا۔ بظاہر وہ اسٹینڈ والے پنکھے کو چیک کر رہا تھا جو ہمارے آنے کے بعد نیلی نے لگا دیا تھا۔

”یامین کے ساتھ آپ کا کیا تعلق ہے؟ کیا وہ آپ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔“

غیر ارادی طور پر میرا سر نفی میں ہل گیا تھا۔

”اور وہ کرے گا بھی نہیں ‘یوں ہی وقت پاس کر رہا ہے۔ وہ کوئی اچھا لڑکا نہیں ہے۔ بہت سی لڑکیوں سے اس کا افیئر ہے بلکہ اس کے افیئرز چلتے ہی رہتے ہیں اور آپ تو کسی اچھے گھرانے کی شریف لڑکی لگتی ہیں۔“

مجھے اس وقت وہ انتہائی برا لگا تھا جسے پہلی بار دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ اگر میرا بڑا بھائی ہوتا تو عارفین جیسا ہوتا۔

”آپی۔۔۔ آپی۔۔۔“

امین پکارتا ہوا چھت سے اتر رہا تھا۔

”ارے ہیرو! تم وہاں چھت پر کیا کر رہے؟“

میں نے اسے پکارا تو وہ آخری تین سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگ کر میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ خوشی اور مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

”لڑکیاں تاڑ رہا تھا۔“ عارفین نے قہقہہ لگایا۔

”بھائی! آپ کم از کم میرے بچپن کا تو خیال کر لیا کریں۔“ پھر وہ موڑھا کھینچ کر بیٹھ گیا۔

”آپ اتنے دنوں سے کیوں نہیں آئی تھیں۔ میں آپ کو یاد کر رہا تھا۔“

”کیوٹو۔“ میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔

”میں کچھ مصروف تھی اور تم نے میرا سوال گول کر دیا کہ چھت پر کیا کر رہے تھے؟“

”وہ ادھر پچھلی طرف کی منڈیر کی کچھ اینٹیں گر گئی تھیں‘ وہ لگا رہا تھا گارے سے۔“



تب میں نے پہلی بار غور کیا کہ اس کے کپڑوں پر مٹی کے چھینٹے تھے۔

”میں نے ہاتھ دھو لیے تھے۔“

اپنی طرف دیکھتے پاکر اس نے جلدی سے کہا تو میں ہنس دی۔ عارفین پھر دروازے کے پاس دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

”ارے زرمینہ آپی بھی ہیں!“

وہ صحن سے زرمینہ کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر اس کی نظریں شاپرز پر پڑی تھیں۔

”لو بھئی ‘آج تو مزے ہی مزے۔“

”تجل آپی! آپ روز روز نہیں آسکتیں۔“

وہ بظاہر معصومیت سے پوچھ رہا تھا لیکن شرارت سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

”ہم کہو جانو تو انہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر میں ہی نہ رکھ لیں۔“

عارفین نے امین سے کہا تھا لیکن میرے کانوں کی لویں سرخ ہو گئی تھیں اور زرمینہ نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔

”اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے‘ لیکن یہ بھلا اپنا اتنا شاندار گھر چھوڑ کر یہاں کیوں رہیں گی‘ اس چھوٹے سے گھر میں۔“

”کوئی رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے۔“

عارفین نے کن اکھیوں سے مجھے دیکھا اور مجھے الجھن ہونے لگی۔

”پتا نہیں پھپھو کب آئیں گی نیلی!“ میں نے اسے مخاطب کیا تھا۔

”بس آتی ہی ہوں گی تجل!“

وہ آٹا گوندھ کر اب اسے ڈھک رہی تھی۔ تب ہی صحن کا دروازہ کھلا تھا۔ پھپھو اور ان کے پیچھے یامین اندر داخل ہوئے تھے۔

”ارے میری بیٹی آئی ہے۔“

پھپھو نے والہانہ انداز میں مجھے گلے سے لگا کر میری پیشانی چومی تھی اور پھر زرمینہ کو پیار کر کے چادر اتار کر ہمارے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جو انہوں نے نیلی کو پکڑا دیا تھا۔

”آپ نے اتنی دیر کر دی اماں!“ نیلی پوچھ رہی تھی۔

وہ ادھر شیخ صاحب کے گھر چلی گئی تھی ‘ان کی بیگم نے کچھ دن پہلے بچیوں کو انگریزی اور حساب پڑھانے کے لیے کہا تھا تو پتا کرنے گئی تھی۔

نیلی سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”ہاں لیکن گھر جا کر ہی پڑھانا پڑے گا۔ وہ کہہ رہی تھیں ‘آپ کے گھر جوان لڑکے ہیں۔ سچ ہی کہتی ہیں۔ ماؤں کو محتاط رہنا چاہیے۔ کل سے جاؤں گی۔ دو ہزار دیں گے۔“

میں نے یامین کی طرف دیکھا‘ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا اور وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ عارفین اسے دیکھ کر اندر کمرے میں جا چکا تھا۔ یامین کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ میں سمجھ گئی تھی کہ اسے پھپھو کا شیخ صاحب کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھانا پسند نہیں آیا تھا پھر اس کی نظریں شیڈ پر پڑے شاپرز پر پڑیں تو وہ مجھے خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”تجل صاحبہ۔۔۔“ وہ چبا چبا کر بولا۔

”آپ کی یہ مہربانیاں ہماری زندگی کو مشکل کر رہی ہیں۔ کیوں یہ اٹھائے چلی آتی ہیں ہر روز۔ کل کو آپ اپنے شہر واپس چلی جائیں گی۔ خوامخواہ اس گھر کے مکینوں کو ان ذائقوں کا عادی نہ بنائیں جن کے وہ عادی نہیں ہیں۔“

اس نے کورمے کے شاپرز دیکھ لیے تھے۔

”اور تم اکیلے ان ذائقوں سے روشناس ہوتے رہو۔“

عارفین شاید کمرے کے دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا کہ اس نے دروازے سے جھانک کر کہا اور پھر تیزی سے واپس کمرے میں چلا گیا۔ اس کی بات کو صرف میرے اور یامین کے سوا کسی نے نہ سمجھا تھا۔

”اتنا غصہ مت کیا کرو بیٹا! زندگی کو ایسے ہی قبول کر لو جیسے وہ ہے۔“

پھپھو نے نرمی سے کہا تھا‘ اس نے پھپھو کی بات کا

جواب نہیں دیا اور امین کی طرف دیکھا۔

"تم یہاں بیٹھے وقت کیوں ضائع کر رہے ہو، جانتے ہو نا کہ تمہارے فیوچر کا انحصار تمہارے ایف ایس سی پر ہے۔"

اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ امین یک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

"اماں! میں کام سے جا رہا ہوں، دیر سے آؤں گا۔"

پھر وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔ نیلی پھلکے بنانے لگی تھی۔ ارتقا صفی اس روز بھی گھر پر نہ تھے۔ میں نے صرف دو بار انہیں دیکھا تھا۔ یامین نے مجھے بتایا تھا کہ وہ رات کو دیر سے ہی گھر آتے ہیں اور عموماً" کھانا گھر پر نہیں کھاتے۔

"پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ کہیں نہ کہیں کھا لیتے ہوں گے، کسی پارٹی کے دفتر میں، کسی کارکن کے ساتھ لیکن اب میں سوچتا ہوں خود ہی کھاتے ہوں گے کسی بڑے ہوٹل میں بیٹھ کر۔ آخر اتنا پیسہ انہوں نے کہاں خرچ کیا ہو گا یہ۔"

اور اس روز میں نے سوچا تھا کہ ایک بار پھر میں ڈیڈی سے پھپھو کے لیے بات کروں گی، وہ انسانی ہمدردی کے طور پر ہی پھپھو کی مدد کر دیں۔"

اس روز پھپھو نے مجھے وہ سامان نکال کر دکھایا تھا جو نیلی کی شادی کے لیے انہوں نے جمع کیا تھا۔ آٹھ جوڑے کپڑے، چند برتن، ایک چھوٹا سا گلے کا لاکٹ اور جھمکے۔

وہ مجھے دکھا رہی تھیں اور میرے آنسو میرے اندر گر رہے تھے۔ وقت اور ماحول آدمی کو کتنا بدل دیتے ہیں کیا آج سے تیس سال پہلے وہ اس طرح کی چیزیں اتنی ہی خوشی سے دکھا سکتی تھیں۔

"کمیٹی کے پیسے مل جائیں تو پھر تاریخ دے دوں گی شادی کی۔"

وہ بتا رہی تھیں اور میں مسلسل سوچ رہی تھی کہ اس ویک اینڈ پر مجھے گھر ضرور جانا چاہیے تاکہ ڈیڈی سے بات کر سکوں لیکن ہوا یوں کہ میں ویک اینڈ پر نہ جا سکی کیونکہ زرمینہ کو بہت ہائی ٹمپریچر تھا۔ میں دو دن بعد یونیورسٹی آئی تو مجھے اندر جاتے ہی یامین مل گیا۔

"ارے کہاں غائب تھیں تم، کیا گھر گئی ہوئی تھیں؟"

"نہیں۔" میں نے اسے زرمینہ کی بیماری کا بتایا۔

"سنو، تم اتنا غصہ کیوں کرتے ہو؟" اس روز میں نے اس سے کہا تھا۔

"مجھے غصہ آتا ہے اس لیے۔" وہ مسکرایا تھا لیکن پھر وہ فوراً" ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ "اس روز عارفین نے تم سے کیا کہا تھا۔"

"کچھ خاص نہیں۔"

"اچھا!" اسے حیرانی ہوئی تھی۔

"اس نے تم سے کچھ کہا؟" میں نے پوچھا اور پھر ساری بات بتا دی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ عارفین اس سے کچھ الٹا سیدھا کہے اور وہ ناراض ہو جائے۔ وہ میری بات سن کر خاموش ہو گیا تھا۔

"پتا نہیں عارفین کو مجھ سے اتنی چڑ کیوں ہے۔ ویسے تم نے عارفین کی بات کا یقین کر لیا تھا کیا؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"اچھا، کتنا جانتی ہو۔" وہ ہنسا تھا۔ "اتنا بڑا دعوا نہ کرو۔"

"زیادہ نہ سہی لیکن اتنا تو جانتی ہوں کہ تمہارا کسی لڑکی کے ساتھ کوئی افیئر نہیں ہے۔"

"اگر میں کہوں غلط ہے، ایک لڑکی ہے، جس کے ساتھ میرا افیئر ہے اور جس سے میں محبت کرتا ہوں۔"

"کون؟"

"تم۔"

اس نے کہا تھا اور پھر وہ وہاں رکا نہیں تھا اور میں بہت دیر تک ساکت بیٹھی رہی تھی تو کیا۔ لیکن نہیں، اس نے مذاق کیا ہو گا۔ وہ تو محبت کو خرافات کہتا ہے۔ لیکن اس رات مجھے نیند نہیں آئی تھی اور میرے دل میں چھپا چور مجھ سے کہہ رہا تھا۔

"سجل زیدی تم تسلیم کرو یا نہ کرو لیکن تم بھی یامین

صفی سے محبت کرنے لگی ہو۔ چاہے تمہیں اس کا ساتھ ملے یا نہ ملے۔"

اور یہ محبت مجھے واقعی خوار کرے گی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں وہ کبھی نہیں کر سکوں گی جو پھپھو نے کیا تھا اور پھر پھپھو کی زندگی کی مثال میرے سامنے تھی اور مجھے اپنے ڈیڈی اور اپنی اماں کی عزت کا بھی بہت خیال تھا۔ سو اس رات میں نے پوری شعوری کوشش سے محبت کے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی تھی لیکن تب میں نہیں جانتی تھی کہ اس کی محبت میرے دل میں کتنی گہرائیوں تک موجود ہے۔ میں نے خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا تھا کہ اگر یہ محبت بھی ہے تو میں اس پر اختیار رکھتی ہوں کہ اس محبت کو کس انداز میں لوں لیکن بہت سی باتوں کی طرح محبت پر بھی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ تاہم حفظ ماتقدم کے طور پر میں پورا ایک ہفتہ اس سے نہیں ملی تھی اور وہ بھی میرے ڈپارٹمنٹ کی طرف نہیں آیا تھا۔ اسے شاید اپنے بے اختیاری میں کیے جانے والے اظہار کی ندامت تھی' ورنہ ان ڈیڑھ سالوں میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ہم پورا ہفتہ نہ ملے ہوں۔

☼ ☼ ☼

پورے ایک ہفتہ بعد جب میں لائبریری کی طرف اخبار دیکھنے جا رہی تھی کہ وہ میرے سامنے آگیا۔

"ارے' کہاں غائب ہو؟"

"اور یہ بات اگر میں تم سے کہوں کہ تم کہاں غائب تھے۔"

"میں تو۔۔۔" اس نے کان کھجائے۔

"بس یوں ہی۔۔۔ وہ دراصل میں نے سوچا کہ تم بھلا کیا سوچتی ہو گی۔"

اور میں نے جو اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اب یامین سے زیادہ ربط نہیں رکھنا' سب بھلا کر اس کے ساتھ شیر علی سے ملنے جا رہی تھی۔ شیر علی وہی لڑکا جو اس پاور لوم فیکٹری میں بابنیں بھرنے کا کام کرتا تھا۔

"بے چارہ زخمی ہو گیا ہے' ایک ویگن نے ٹکر دی ہے اسے' ہاسپٹل میں ہے۔ میں کل جنرل ہاسپٹل گیا تھا کسی کی عیادت کو تو میں نے وہاں جنرل وارڈ میں اسے بے بس پڑا دیکھا اور۔۔۔" وہ مجھے راستے میں بتا رہا تھا۔

"غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا یار! سرکاری اسپتالوں میں بھی ان کے ساتھ کتوں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے لیکن خیر وہاں اسپتال میں مجھے سروادنے کالج کا ایک اسٹوڈنٹ مل گیا تھا۔ آج کل ہاؤس جاب کر رہا ہے وہاں' اس کی وجہ سے کچھ توجہ دی ڈاکٹروں نے۔"

"پھپھو کیسی ہیں؟"

"پتا نہیں' میں تو دو دن سے گھر ہی نہیں گیا۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یوں ہی عارفین سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"وجہ۔"

"کچھ نہیں' فضول بکواس کر رہا تھا۔ یار! یہ خون کے رشتے بھی بس۔ ان میں بھی زہر بھرا ہے۔ لوگ اپنوں کے لیے اذیت' تکلیف اور پریشانیاں اکٹھی کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ یہ لوگ سانپوں کی طرح ہیں سجل! انسانی شکل والے سانپ۔ یہ سب بہت قابل نفرت ہیں۔ میں ان سے بھاگ رہا ہوں۔ گھر کی دیواروں اور فرش میں کانٹے ہیں جن سے پاؤں لہولہان چھلے جاتے ہیں۔ ہر رشتہ جس کا ایک نام ہے' اپنے منصب کے لحاظ سے زہریلا ہے۔ میں زندگی ان دنوں خوبصورت سمجھنے لگا تھا لیکن نہیں یار! بالکل بھی خوبصورت نہیں ہے۔"

بہت دنوں بعد وہ آج پھر تلخ ہو رہا تھا۔

"جانتی ہو عارفین نے کیا کیا' اماں نے کمیٹی ڈال رکھی تھی نیلی کی شادی کے لیے۔ تیس ہزار روپے اس ماہ ملے ہیں انہیں اور عارفین نے وہ تیس ہزار لے لیے اور اماں سے کہا کہ یہ بیسی اس کی تنخواہ میں سے اماں نے ڈالی تھی اور ابھی دس ماہ مزید رقم دینی ہے اماں نے' جو اس کی تنخواہ میں سے ہی دی جائے گی۔



تم اس کی ہے اور اسے بائیک لینی ہے۔ بسوں کے دھکے اس سے نہیں کھائے جاتے اور جب میں نے کہا کہ اماں نے یہ رقم نیلی کی شادی کے لیے جمع کی ہے تو کہنے لگا کہ تمہیں بہت درد ہے نا تو تم دے دو شادی کے لیے رقم۔ لے لو کسی امیرزادی سے اور پھر اس نے مزید بکواس کی تو ہماری لڑائی ہو گئی۔ اماں کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے نیلی کے سسرال والوں سے کہا تھا کہ کمیٹی نکل آئی تو انہیں تاریخ دے دیں گی۔"

"پھپھو پریشان ہوں گی یامین! گھر چلے جاؤ۔"

"میں نے امین کے ہاتھوں پیغام بھیج دیا تھا۔"

"پھر بھی' وہ کہہ رہی تھیں تمہارے گھر میں ہونے سے انہیں بہت سہارا ہوتا ہے۔ چلو اسپتال سے واپسی پر میرے ساتھ گھر چلو۔"

میں نے کہا تو وہ خاموش رہا اور شیر علی سے مل کر ہم گھر گئے۔ پھپھو وہیں برآمدے میں چارپائی پر چادر اوڑھے لیٹی ہوئی تھیں اور نیلی ان کا سر دبا رہی تھی۔

"اماں۔۔۔ کیا ہوا۔"

وہ ان کے پائنتی بیٹھ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"سر میں درد ہے۔۔۔ تو کہاں چلا گیا تھا؟"

"ایک دوست کے پاس تھا اماں! امین کو بتایا تو تھا میں نے۔"

تب ہی کمرے کا پردہ ہٹا کر اندر سے ارتقا صفی نکلے تھے کھدر کے قیمتی سوٹ میں ملبوس تازہ تازہ شیو کیے خوشبو میں بسے فریش سے۔

"ارے واہ بھئی بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں۔" وہ میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"السلام علیکم انکل۔"

سر کے اشارے سے میرے سلام کا جواب دے کر انہوں نے دو قدم صحن کی طرف بڑھائے لیکن پھر پلٹے۔

"سجل! تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟"

"ابا! مجھے آپ سے بات کرنا تھی۔" میرے جواب سے پہلے ہی یامین اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ابا! وہ آپ کو پتا ہے نا اماں نے نیلی کی شادی کے لیے۔۔۔"

"ہاں ہاں تو پھر میں کیا کروں۔ عارفین بھی تو غلط نہیں کہتا۔ اس نے بائیک کا سودا بھی کر لیا ہے۔ بہت اچھی حالت میں ہے۔ بالکل نئی سمجھ لو۔"

"لیکن ابا جی! نیلی کے سسرال والے اگلے ماہ کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔"

"تو دے دو تاریخ' چار بندے آ کے نکاح پڑھا کے لے جائیں۔"

"تاریخ تو دے دیں گے لیکن ابا! آپ نے جو پندرہ لاکھ روپے لیے تھے انوار الحسن زیدی سے' اس میں سے دو لاکھ روپے دے دیں صرف۔"

"وہ رقم اب تک پڑی ہے کیا؟" وہ غصے سے بولے تھے۔

"میں نے ساری رقم اپنی پارٹی کو دے دی تھی اور یہ کیا خناس بھر دیا ہے اس عورت نے تمہارے دماغ میں۔ کوئی رقم نہیں ہے میرے پاس' دو کپڑوں میں رخصت کرنا ہے تو کر دو' نہیں تو جہنم میں جاؤ اور تم کس مرض کی دوا ہو۔ یونیورسٹی میں لڑکیوں سے دوستی کرنے گئے ہو۔ کماؤ! اور بہت ہی بخار اٹھ رہا ہے ہمدردی کا تو کسی امیرزادے یا امیرزادی سے ادھار مانگ کر کر دو نیلی کی شادی دھوم دھام سے۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"کیوں منہ لگتے ہو ان کے۔" پھپھو نے نحیف آواز میں کہا تھا۔

"اس شخص کی بے حسی۔۔۔ جی چاہتا ہے۔۔۔"

"اچھا فضول کچھ مت کہنا' باپ ہیں تمہارے۔"

"آپ کو بھی ان کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں ملا تھا شادی کے لیے۔" وہ جھنجلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"چلو سجل! تمہیں چھوڑ آؤں۔"

اور پھپھو کو پریشان نہ ہونے کا کہہ کر میں چلی آئی تھی۔

پھر میں نے سنڈے کو گھر جانے کا مصمم ارادہ کر لیا

تھا اور جب میں نے ایک بار پھر ڈیڈی سے بات کی تو وہ حیران ہوئے تھے۔

"تم اب بھی ملتی ہو ان سے؟"

"ڈیڈی! یامین میرے ساتھ پڑھتا ہے تو ملاقات تو ہو جاتی ہے۔ پلیز ڈیڈی! آپ ضرورت مندوں کی بھی تو مدد کرتے ہیں نا اور اپنوں کی مدد سے تو دوہرا ثواب ہوتا ہے۔"

"اوکے۔"

انہوں نے مجھے پچاس ہزار کا چیک کاٹ دیا تھا۔

"سنو، تمہاری پڑھائی کب تک ختم ہو جائے گی؟"

"تین چار ماہ تک ان شاء اللہ۔"

"تو پھر آپا کو بتا دو وہ آجائیں تین چار ماہ تک۔" ڈیڈی نے اماں کو مخاطب کیا تھا۔ میں چونکی تھی لیکن میں نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

"تمہاری خالہ عاطف کے لیے کہہ رہی تھیں۔ ہم نے ابھی ہاں نہیں کی، تمہارے ڈیڈی عاطف سے ملنے کے بعد ہی حتمی جواب دیں گے۔ تاہم ایک دو پروپوزل یہاں سے بھی ہیں۔ تمہارے امتحانوں کے بعد ہی انہیں حتمی جواب دیا جائے گا۔ ویسے ہم جلد ہی تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوکے موم۔"

میں خوش تھی کہ ڈیڈی نے کچھ تو دیا تھا۔ کچھ رقم میرے ذاتی اکاؤنٹ میں بھی تھی، کچھ اماں سے لے لوں گی، کم از کم ایک لاکھ روپیہ تو ہو۔

اور میں نے دیکھا تھا ڈیڈی اور اماں ایک دم بہت پرسکون نظر آنے لگے تھے لیکن میرا سکون رخصت ہو گیا تھا۔ تو میرا اور یامین کا ساتھ ممکن نہیں۔ یہ بات تو میں پہلے بھی جانتی تھی پھر۔۔۔ زرمینہ صحیح کہتی تھی، یہ ملاقاتیں رنگ لائیں گی اور صرف میں ہی نہیں، یامین بھی میری محبت میں مبتلا ہو چکا تھا، جب میں واپس کیمپس گئی تو وہ بہت اپ سیٹ تھا۔

"خیریت؟"

میں نے پوچھا تھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں کل پھپھو سے ملنے آؤں گی۔"

میں نے اسے بتایا تو وہ یک دم پھٹ پڑا۔

"کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی، جانتی ہو عارفین نے کیا بکواس کی ہے۔ اس نے اماں سے کہا ہے کہ اگر وہ اس کی شادی تم سے کروا دیں تو وہ یہ رقم انہیں نیلی کی شادی کے لیے دے دے گا۔ میں نے بہت مشکل سے خود کو روکا، ورنہ میرا جی چاہا تھا کہ منہ توڑ دوں اس کا۔ اسے ہمت کیسے ہوئی اس طرح کی بات کرنے کی۔ وہ تو اماں نے ہی کہہ دیا کہ نیلی کی خاطر وہ کسی پر کیوں ظلم کریں۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں خون رنگ۔

"پتا ہے تجل! مجھے اب پتا چلا کہ میں تمہارے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتا تو میں کیسے۔۔۔ تجل کیا یہ محبت ہے اور کیا تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے؟" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا تو وہ کچھ دیر یونہی میرے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔

میں جانتا ہوں کہ تیرے سب خواب ریشمی ہیں
تو میری کھدر رفاقتوں کا بھرم نہ رکھ سکے گا

"پھر بھی جانے کس چور راستے سے یہ محبت میرے اندر در آئی ہے۔ تجل! آؤ آج ہم دونوں پہلی اور آخری بار اس محبت کا اعتراف کریں اور پھر بھول جائیں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں تجل! بہت شدید لیکن مجھے تم سے شادی نہیں کرنا، ہم دونوں نے زندگی کا سفر اکٹھے طے نہیں کرنا پھر بھی۔۔۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی جسے میں نے مکمل کیا۔ "ہاں پھر بھی ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے۔"

"ویسے یار! تمہیں مجھ جیسے بندے سے کیسے محبت ہو گئی۔" وہ ہنسا تھا۔ اس اعتراف نے اسے شاد کر دیا تھا لیکن میں اداس تھی، مجھے دکھ تھا کہ اس سے محبت کرنے کے باوجود مجھے اس کی رفاقت نہیں مل سکتی۔

"پتا نہیں۔"

میں خود بھی تو نہیں جانتی تھی کہ یہ سب کیسے ہوا۔ پہلی نظر میں تو وہ مجھے بے حد برا لگا تھا اور میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔



"میں نے سنا ہے کہ ایسی وارداتیں یوں ہی انجانے میں ہو جاتی ہیں۔ اچھا سنو، تم اب گھر نہ آنا۔ فضول میں عارفین نے کوئی بات کی تو میری لڑائی ہو جائے گی اس سے۔"

"لیکن مجھے نیلی کی شادی کے لیے یہ چیک دینا تھا پھپھو کو۔"

"کیسا چیک۔" میری بات سن کر وہ بھڑک اٹھا۔

"تو تم نے اپنے ڈیڈی سے نیلی کے لیے خیرات مانگی ہے؟"

"یامین! خوامخواہ مت بھڑکو، کوئی خیرات ویرات نہیں ہے یہ۔ سوچو اگر ہم آپس میں ملتے ہوتے تو کیا ڈیڈی نیلی کی شادی پر گفٹ نہ دیتے تو یہ گفٹ سمجھ لو اور یہ جو اس الگ لفافے میں نقد رقم ہے یہ میری طرف سے اپنی کزن کے لیے گفٹ ہے۔"

"تم نے ڈیڈی سے کیا کہا تھا؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"کچھ خاص نہیں، بس نیلی کی شادی کا بتایا تھا اور کہا تھا کہ انہیں نیلی کی شادی کے لیے گفٹ دینا چاہیے۔"

وہ کچھ دیر بے چین سا رہا لیکن پھر اس نے مجھے منع کیا کہ ابا کے سامنے میں یہ ذکر نہ کروں، "انہیں پتا چلا کہ اماں کے بھائی نے یہ گفٹ دیا ہے تو وہ کل ہی ان کے پاس ہاتھ پھیلائے پہنچ جائیں گے۔"

"تو تم کہہ دینا کہ تم نے ارینج کیا ہے۔" میں نے مشورہ دیا تھا۔

پھر وہ بہت دیر وہاں چپ بیٹھا رہا۔ میں جانتی تھی کہ وہ الجھ رہا تھا۔

"سنو، یہ گفٹ نہیں ادھار ہے۔" بالآخر اس نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"جب کبھی میرے پاس ہوئے، دے دوں گا۔"

"اوکے، دے دینا۔"

میں بہت کم اس کی بات سے اختلاف کرتی تھی۔

"سنو، اگر نیلی کی شادی کی بات نہ ہوتی تو میں کبھی اتنا زیر بار نہ کرتا خود کو۔"

"کوئی زیر بار نہیں ہو رہے ہو تم اب فضول کچھ مت کہنا۔"

اور وہ ایک گہری نظر مجھ پر ڈال کر چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر نیلی کی شادی سادگی سے ہو گئی۔ عارفین نے بائیک لے لی تھی۔ امین کے پیپرز ہو گئے تھے اور اس نے انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے لیے اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔ یامین سے ہی مجھے پتا چلا تھا کہ عارفین بھی اب شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ اماں سے کہہ رہا ہے کہ اگر تجل نہیں تو اس کی فرینڈ زرمینہ سے بات چلائیں۔

"کیا دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔ زرمینہ کی منگنی ہو چکی ہے اور میں۔۔۔"

"اس کا دماغ ہی تو خراب ہو گیا ہے۔ کسی امیر لڑکی سے شادی کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ حالانکہ اماں نے ایک لڑکی پسند کی ہے نیلی کی سسرال میں۔" یامین جھنجلایا ہوا تھا۔

"تو تم بتا دو اسے کہ میں اور زرمینہ انگیجڈ ہیں۔"

"تم خود کسی دن اماں سے کہہ دینا، وہ بتا دیں گی۔ میری بات کا یقین نہیں کرے گا وہ۔"

"اچھا، بتا دوں گی۔" میں نے کہا تھا لیکن پھپھو کو بتانے سے پہلے ہی ایک روز عارفین یونیورسٹی آگیا اور اس نے ڈائریکٹ مجھے پرپوز کر دیا۔

"سوری عارفین بھائی! میری منگنی ہو چکی ہے اپنے خالہ زاد بھائی سے۔"

اور اس وقت عارفین کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ میں نے بمشکل اپنی ہنسی چھپائی تھی لیکن شاید وہ لمحہ شنید تھا کہ امتحان کے بعد جب میں گھر آئی تو اماں نے بتایا کہ اگلے ہفتے خالہ آرہی ہیں اور عاطف بھی۔

میرے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ اگر یامین کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں کہتی بھی اور شاید وہ سوچتے بھی لیکن یامین۔۔۔ امپاسبل۔۔۔ اور جب میں لاہور سے آرہی تھی تو یامین نے کہا تھا۔

"تجل! کیا اب ہم کبھی نہیں مل سکیں گے؟"

"شاید نہیں۔"

"سجل! مجھے کہنے دو کہ میرے لیے تمہارے بغیر جینا مشکل ہے۔ رفاقتوں کا جادو اپنا کرشمہ دکھا چکا ہے۔ مجھ سے شادی کروگی' اس طرح نہیں جیسے اماں اور ابا نے کی تھی بلکہ میں تمہارے والدین سے تمہارا ہاتھ مانگتا ہوں پراپر طریقے سے۔"

"میں تمہارے علاوہ شاید کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی یامین! لیکن یہ طے ہے کہ میرے ڈیڈی کبھی بھی تم سے میری شادی نہیں کریں گے۔"

"پھر بھی ایک کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے۔"

میں خاموش رہی تھی کیونکہ مجھ میں اسے مایوس دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ میں جانتی تھی کہ اس کوشش کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ بات مجھے بالواسطہ طور پر بتائی جاچکی تھی اور اب خالہ آرہی تھیں اور ڈیڈی نے گو عاطف کو کچھ زیادہ پسند نہیں کیا تھا' ان کے خیال میں یہاں جو پروپوزل تھے' وہ عاطف کے مقابلے میں بہتر تھے پھر وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو اتنا دور بھیجنے کے حق میں بھی نہ تھے لیکن ہوا وہی جو اماں کی مرضی تھی۔

عاطف اماں کا بھانجا تھا' سو فیصلہ اسی کے حق میں ہوا۔ عاطف ایک عام سی شکل و صورت کا کم گو سا لڑکا تھا۔ اپنے پندرہ دن کے قیام میں اس نے بمشکل پندرہ باتیں کی تھیں بلکہ منگنی کے فنکشن کے بعد بھی میں نے اسے اپنی طرف دیکھتے نہیں پایا تھا۔ وہ خود میں ہی مگن رہتا تھا۔

خالہ تو چاہتی تھیں کہ نکاح بھی ساتھ ہی ہوجائے اور سال بھر بعد جب وہ آئیں تو رخصتی کے بعد مجھے ساتھ ہی لے جائیں۔ اس دوران پیپرز مکمل ہوجائیں گے لیکن ڈیڈی نے نکاح کی مخالفت کی تھی۔

"نہیں' جب آپ رخصتی کے لیے آئیں گی تو نکاح بھی تب ہی ہوگا۔ رہی پیپرز کی بات تو بعد میں تیار ہوجائیں گے۔ چند ماہ تاخیر سے کینیڈا چلی جائے گی۔"

یوں میں اپنی انگلی میں عاطف کے نام کی انگوٹھی پہن کر یامین کو یاد کرتی تھی۔ جب یامین کو میں نے بتایا تو اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خیریت پوچھ کر فون بند کردیا۔ آج کل چونکہ وہ فارغ تھا اس لیے کئی اخبارات میں لکھ رہا تھا۔ میں نے ایک بار ڈیڈی کو بتایا تھا۔

"ڈیڈی! یہ کالم یامین نے لکھا ہے' شہزین پھپھو کے بیٹے نے۔"

لیکن ڈیڈی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا' ایک روز مجھے سرداؤد ملے تو انہوں نے مجھے اپنے اسکول میں جاب کی آفر کی۔

"ڈیڈی شاید اجازت نہ دیں۔"

"صرف چند ماہ کے لیے سجل! دراصل ہماری بیالوجی کی ٹیچر اچانک جاب چھوڑ گئی ہے تو نئی ٹیچر کے آنے تک۔" وہ بہرحال میرے استاد تھے' میں نے ڈیڈی سے اجازت لے ہی لی لیکن چند ماہ کی جاب دو سال پر محیط ہوگئی تھی کیونکہ خالہ نہیں آئی تھیں۔ اماں سے انہوں نے بہانہ کردیا تھا کہ وہ اس سال نہیں' اگلے سال آئیں گی کیونکہ عاطف کوئی کورس کررہا ہے۔ اماں اور ڈیڈی پریشان تھے لیکن میں خوش تھی اور دعا کرتی تھی کہ شادی اور لیٹ ہوجائے۔

یامین بھی باوجود کوشش کے جب کوئی جاب حاصل نہیں کرسکا تو سرداؤد کے کہنے پر ان کے کالج میں آگیا تھا۔ وہ سرداؤد کے ساتھ رہ رہا تھا اور کالج میں اس سے روز ہی ملاقات ہوجاتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ عارفین نے اپنے آفس میں کام کرنے والی کسی لڑکی سے شادی کرلی ہے۔ اچھے پیسے والے لوگ ہیں۔ اکلوتی بیٹی ہے وہ اور عارفین گھر چھوڑ کر سسرال میں ہی شفٹ ہوگیا ہے۔

"گھر داماد۔"

وہ طنز سے ہنسا۔ "اس کا شروع سے ہی یہی aim تھا۔"

"اور پھپھو!" میں نے پوچھا تھا۔

"وہ خاصی اپ سیٹ ہیں۔"

ایک دو بار میں سرداؤد کے گھر بھی گئی تھی' وہاں کوئی مشاعرہ تھا۔ سرداؤد نے شادی نہیں کی تھی۔ یامین چاہتا تھا کہ میں لاہور کی طرح یہاں بھی اس کے ساتھ



ہر اس جگہ جاؤں جہاں وہ جاتا ہے لیکن میں اپنے شہر میں اس طرح اس کے ساتھ جا نہیں سکتی تھی۔

"اب تو تم نے اپنے ماں باپ کی مرضی سے اپنی منگنی کروالی ہے پھر کیا خوف ہے تمہیں میرے ساتھ جانے میں۔"

"ڈیڈی کی ایک عزت ہے' ایک مقام ہے۔"

"تو کیا میں کوئی بدنام شخص ہوں' ڈاکو ہوں' چور ہوں' شرابی ہوں۔"

وہ میری بات سمجھے بغیر بھڑک اٹھا تھا۔

"یہ بات نہیں ہے یامین! لیکن اگر کسی نے ڈیڈی سے ذکر کردیا کہ آپ کی بیٹی کو ہم نے فلاں لڑکے کے ساتھ گھومتے دیکھا ہے تو پھر ڈیڈی کی کیا عزت رہ جائے گی اور پھر تم جہاں جاتے ہو' وہاں تم اکیلے تو نہیں ہوتے ہو اور لوگ بھی ہوتے ہیں۔"

تب وہ چپ ہوگیا تھا۔ ان دنوں وہ سرداؤد کے ساتھ شہر میں ہونے والے ہر مشاعرے اور ادبی تقاریب میں شرکت کرنے لگا تھا۔

"میرا وہاں تمہارے بغیر دل نہیں لگتا سجل! میرا جی چاہتا ہے جب میں غزل یا نظم پڑھ رہا ہوں تو تم میری نظروں کے سامنے ہو۔ میں جہاں جاؤں' تم میرے ساتھ میرے ہم قدم ہو۔"

"بہت سی باتیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں یامین!"

"کیا غربت بہت بری ہوتی ہے اور غریب ہونا بہت بڑا جرم ہے؟" ایک روز اس نے پوچھا تھا۔

"میں ایک خوش شکل ایجوکیٹڈ شخص ہوں۔ دو وقت کی روٹی تمہیں کما کر کھلا سکتا ہوں۔ کچھ وقت تو لگے گا لیکن میں تمہیں ایک چھوٹا سا گھر بھی دے سکوں گا۔ مجھ میں کوئی اخلاقی برائی نہیں ہے۔ میں سگریٹ تک نہیں پیتا لیکن میں صرف اس لیے اس ہستی کو حاصل کرنے کے لیے جو مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے' دست سوال دراز نہیں کرسکتا کیونکہ میں غریب ہوں' میرا کوئی فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ "اور یہ کتنی ستم ظریفی ہے سجل! کہ مجھ جیسے لڑکوں کو محبت بھی ہوتی ہے تو کن سے جو ہماری دسترس سے دور ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

میرے پاس اس کی کسی بات کا جواب نہیں تھا لیکن اس روز میں گھر آکر بہت روئی تھی۔

اگلے روز وہ بالکل نارمل تھا۔ ایسے دورے اسے کبھی کبھار ہی پڑا کرتے تھے۔ ایک روز میں اسے گھر بھی لائی تھی' ڈیڈی سنگاپور گئے ہوئے تھے اور میں نے اسے اماں سے ملوایا تھا۔

"اماں! یہ یامین ہے شہزین پھپھو کا بیٹا۔"

اماں نے بس سرسری سی بات کی تھی اور پھر معذرت کرکے چلی گئی تھیں۔ انہیں لیڈیز کلب جانا تھا لیکن رات کو انہوں نے بطور خاص مجھے بلا کر منع کیا تھا کہ آئندہ میں اسے گھر نہ لاؤں اور یہ کہ ڈیڈی اسے بالکل پسند نہیں کریں گے۔

"لیکن اماں! میں صرف ایک کزن سمجھ کر اس سے ملتی ہوں۔" اپنے دل کا چور چھپا کر میں نے اماں سے کہا تھا۔

"لیکن نہ ہم نہ کوئی اور اس رشتے کو جانتا ہے پھر۔"

"اچھا۔" میں پھر کبھی یامین کو گھر نہ لائی تھی۔ یامین کو ہمارا گھر بہت پسند آیا تھا۔

"اماں اس گھر میں رہتی تھیں اور۔" اسے بے حد حیرت ہوئی تھی۔

"اور اماں کے لیے کتنا مشکل ہوا ہوگا اس گھر میں ایڈجسٹ ہونا لیکن ——— میں نے کبھی اماں کو شکوہ یا گلہ کرتے ہوئے نہیں سنا۔ اماں نے بڑی قربانی دی لیکن ابا نے کبھی اس قربانی کی قدر نہیں کی۔ اماں تو ان کے لیے محل چھوڑ کر جھونپڑے میں آگئی تھیں لیکن انہوں نے۔ کاش ابا نے اماں کی قدر کی ہوتی سجل!"

وہ نہ صرف مختلف مشاعروں میں جانے لگا تھا بلکہ ایک دم سے ہی خاصا مشہور ہوگیا تھا۔ ایک بار ڈیڈی نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"کیا یامین! تم سے اب بھی ملتا ہے؟"

"وہ سن رائز کالج میں ہی پڑھاتا ہے تو بات چیت ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد ڈیڈی نے کوئی بات نہیں کی تھی لیکن انہوں نے اماں سے کہا تھا کہ سال سے زیادہ ہو گیا ہے' اپنی بہن سے کہو کہ وہ رخصتی کروا لے آکر۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی خالہ جنہیں شادی کی جلدی تھی' اب کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتیں اور اگلے ماہ آنے کا کہہ دیتیں اور اگلے ماہ پھر ٹال دیتیں۔ یوں دو سال بیت گئے تھے۔ یامین ابھی تک کالج میں ہی پڑھا رہا تھا لیکن اب وہ ہر ویک اینڈ پر لاہور چلا جاتا پھر وہ ایک چینل پر بھی آنے لگا۔ ایک بار میں نے اس سے کہا تھا۔

"یامین! تم بالکل غلط بات کہہ رہے تھے۔ میں نے تمہارا پروگرام دیکھا تھا' شاید تمہیں علم نہیں کہ اس سارے معاملے میں کون ملوث ہے۔"

تب اس نے نظریں چرائی تھیں لیکن میں نے محسوس نہیں کیا تھا' انہی دنوں میں نے سنا کہ وہ ایک ادھیڑ عمر شاعرہ کے ساتھ بہت دیکھا جانے لگا ہے۔ اس شاعرہ سے میری ملاقات سرداؤد کے گھر ہونے والے مشاعرے میں ہوئی تھی۔ بوائے کٹ بالوں کے ساتھ وہ بہت کھلی ڈلی باتیں کرتی مجھے ذرا بھی اچھی نہ لگی تھی اور پھر کچھ عرصہ پہلے میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ وہ بھارت کی ایجنٹ ہے اور مجھے یاد ہے ایک بار پنجاب یونیورسٹی میں یامین نے بڑی نفرت سے کہا تھا۔

"نفرت ہے مجھے ایسے لوگوں سے۔ جو کھاتے پاکستان کا ہیں اور پھر انڈیا کی گود میں بیٹھ کر پاکستان کی برائیاں کرتے ہیں' دوغلے' گھٹیا لوگ اور یہ بات اس نے اسی شاعرہ نسیم حیات کے متعلق کہی تھی اور اب اسی کے ساتھ گھوم رہا تھا۔

"سنا ہے آج کل تمہاری نسیم سے بڑی دوستی ہے۔" ایک روز اسٹاف روم کی طرف جاتے ہوئے میں نے پوچھا تھا۔

"ارے ہاں۔" وہ ہنسا تھا۔

"تم جو ساتھ نہیں چلتی ہو اور مجھے عادت ہو گئی ہے کسی کے ساتھ چلنے کی۔ ویسے کیا تم جیلس ہو رہی ہو؟ ایک بات یاد رکھنا نجل! تم۔۔۔ تم ہو اور تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔"

اس کے مزاج میں غیر محسوس تبدیلیاں آرہی تھیں' وہ اپنی ڈریسنگ کا خیال رکھنے لگا تھا لیکن میں نے اسے کچھ زیادہ محسوس نہیں کیا تھا بلکہ خوشی ہوئی تھی۔ سرداؤد اسے اٹھارہ ہزار تنخواہ دیتے تھے اور اپنے لکھنے سے بھی وہ کافی کما لیتا تھا۔ کم از کم اتنا ضرور کہ اپنے اخراجات کے لیے رکھ کر وہ امین کی تعلیم کا خرچ باآسانی اٹھا رہا تھا اور گھر میں بھی پھپھو کو خرچ کے لیے رقم بھیج رہا تھا۔

امین کو انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تھا۔ امین کے متعلق بات کرتے ہوئے وہ بڑا جذباتی ہو جاتا تھا۔

"دیکھنا نجل! امین صرف ایک بہترین انجینئر ہی نہیں' ایک بہترین انسان بھی بنے گا' وہ عارفین سے بالکل مختلف ہے۔ پتا ہے' اماں کہہ رہی تھیں ان کی طبیعت خراب ہو تو وہ گھر کی صفائی ہی نہیں کرتا' کھانا بھی بنا لیتا ہے۔" وہ ہنستا تھا۔

کبھی کبھی وہ امین کے میسج بھی مجھے دیتا۔ انہی دنوں میں نے دیکھا تھا کہ سرداؤد کے آفس میں غیر ملکیوں کے علاوہ کچھ ناپسندیدہ لوگ بھی آنے جانے لگے تھے اور ایسے میں کئی بار یامین بھی وہاں ہوتا۔

"سر کے آفس میں جو لوگ ان دنوں آرہے ہیں' وہ کچھ مشکوک سے ہیں یامین!"

"ارے نہیں' تمہارا وہم ہے۔ وہ تو بے ضرر سے انکل کے جاننے والے ہیں۔"

لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا مگر میں نے زیادہ غور نہیں کیا تھا کیونکہ اماں کی طبیعت خراب تھی جس کی وجہ سے میں پریشان سی تھی۔ دراصل خالہ نے معذرت کر لی تھی یہ کہہ کر کہ عاطف نے یہاں ایک مقامی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔

اس خبر نے مجھے ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ عاطف منگنی سے پہلے بھی وہاں انوالو تھا اور اس کا

رویہ بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا لیکن اماں کو کون سمجھاتا۔ ان کا پریشان ہونا فطری تھا پھر ڈیڈی سے بھی نادم تھیں۔ وہ نتیجتاً بیمار ہو گئیں اور مجھے ان کی پریشانی تھی۔ میرا اماں اور ڈیڈی کے سوا دنیا میں اور تھا ہی کون۔ اماں سنبھلیں تو انہوں نے اپنے حلقۂ احباب میں میرے لیے رشتہ کی تلاش شروع کی۔

"اماں! پلیز مجھے شادی نہیں کرنا' ایک بار میں نے آپ کی بات مانی تھی' ایک بار آپ میری بات مان لیں۔"

"کیا تم یامین سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"

"میں آپ کی خوشی اور رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کرنا چاہتی لیکن پلیز مجھے ابھی شادی کے لیے مجبور مت کریں۔"

اماں خاموش ہو گئی تھیں' ان کا خیال تھا کہ شاید میں عاطف کے شادی کر لینے سے ہرٹ ہوئی ہوں اور مجھے سنبھلنے کے لیے کچھ وقت ملنا چاہیے لیکن تین سال بعد بھی میرا فیصلہ وہی تھا۔

اس دوران یامین کالج سے چلا گیا تھا' اسے کہیں بہتر جاب مل گئی تھی۔ شاید کسی میگزین میں۔ اس نے مجھے بتایا نہیں تھا' گو یہاں سے جانے کے بعد بھی اس کا رابطہ مجھ سے تھا' وہ مجھے فون کرتا' کبھی تو ہر روز اور کبھی ہفتے گزر جاتے۔ ان دنوں وہ ہر چینل پر آ رہا تھا' اس کے سیاسی تبصرے' اس کے انٹرویو سب ہی بہت پسند کیے جا رہے تھے۔ لوگ اسے کھرا اور سچا صحافی کہتے تھے۔ مجھے اس کی تعریفیں پڑھ کر بہت خوشی ہوتی تھی۔ جیسے کسی نے میری تعریف کی ہو۔ دو ایک بار میں نے ڈیڈی کو بھی اس کا پروگرام سنتے دیکھا اور ڈیڈی نے تبصرہ بھی کیا تھا۔

"اس کا باپ تو بڑا دوغلا اور منافق آدمی تھا لیکن یہ بڑی سچی اور کھری باتیں کرتا ہے۔"

☼ ☼ ☼
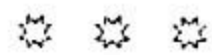
سرداؤد نے ایک نیا گھر لیا تھا اور اس سلسلے میں دعوت دی تھی سارے اسٹاف کو' وہاں یامین بھی تھا اور اسے دیکھ کر میں چونکی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ تھا اور وہ کافی قیمتی تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔

"یہ کیا ہے یامین! بہت بدل گئے ہو۔"

"میری جاب کا تقاضا ہے۔"

میرے پاس بیٹھے ہوئے بھی وہ میرے پاس نہ تھا' اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکتیں پھر نسیم حیات کو آتا دیکھ کر وہ مجھ سے معذرت کر کے کھڑا ہو گیا۔ تب میرے ساتھ بیٹھی میری کولیگ نے بتایا تھا۔

"نسیم حیات آج کل امریکن ایمبیسی کے بہت چکر لگا رہی ہے اور سنا ہے اس کے گھر امریکن ایمبیسی کا ایک یہودی افسر بہت آتا ہے۔ پتا نہیں یامین کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔"

نسیم حیات اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھی۔ سیلولیس چھوٹے سے بلاؤز میں اس وقت وہ انتہائی منحوس لگ رہی تھی۔ وہ نسیم حیات کے پاس زیادہ دیر نہیں رکا تھا لیکن میرے پاس بھی وہ بہت دیر بعد آیا تھا کیونکہ اس ڈنر میں شہر کی تمام کریم ہی موجود تھی۔ اسلام آباد اور لاہور سے بھی کئی ایسے لوگ آئے ہوئے تھے' جنہیں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ سرداؤد جو ایک چھوٹے سے پرائیویٹ کالج کے پرنسپل تھے' ان کے تعلقات اتنے اوپر تک ہوں گے۔

"سوری سجو! میں مصروف ہو گیا تھا۔ کسی روز تمہارے لیے صرف تمہاری خاطر آؤں گا لیکن وعدہ کرو تم پورا دن میرے ساتھ رہو گی۔"

میں مسکرا دی تھی۔

"بڑے آدمی ہو گئے ہو۔"

"نہیں یار! ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں تو وہاں ہی رہتا ہوں' اسی اچھرے والے مکان میں اور اب بھی اندر سے وہی ہوں گھسی ہوئی جینز پہننے والا بے چارا سا یامین صفی۔"

"چلو مشہور تو ہو گئے ہو۔"

وہ مسکرا دیا تھا لیکن پھر فوراً" ہی اس کی مسکراہٹ بجھ گئی تھی۔

"کتنا بھی مشہور ہو جاؤں سجل! لیکن رہوں گا تو محروم محبت ہی نا۔ خیر تم کب شادی کر رہی ہو؟"

"میں نے یہ چیپٹر ہمیشہ کے لیے کلوز کر دیا ہے۔"

اس رات گھر آ کر پتا نہیں کیوں میں بہت روئی تھی' کیا میں اندر سے کہیں ہرٹ ہوئی تھی؟ میں نہیں جانتی تھی کہ کیوں۔

پھر میں نے سرداؤد کی جاب چھوڑ دی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ بلاوجہ ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے تھے اور مجھے ان کی مہربانیاں' ان کا اندازِ گفتگو' بے تکلفی کچھ بھی پسند نہ تھے۔ وہ ایک غلط آدمی تھے۔ یہ میرا خیال تھا' سو میں گھر پر ہی رہتی تھی اور وہ جو کبھی کبھار یامین سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی وہ بھی نہ رہی۔ ہاں فون پر رابطہ ہوتا رہتا تھا۔

"تم نے جاب کیوں چھوڑ دی کیا شادی کر رہی ہو؟"

"نہیں بس بور ہو گئی تھی۔"

"بور ہو گئی تھیں یا انکل کا رویہ ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔" وہ بلاشبہ ذہین تھا۔

"یہی سمجھ لو۔"

اب وہ زیادہ لمبی بات نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ اسے کہیں جانے کی جلدی ہوتی تھی' لیکن میں نے کبھی گلہ نہیں کیا تھا۔ زرمینہ ایک بار آئی تو اس نے بتایا۔ وہ ان دنوں اپنے میاں کے ساتھ لاہور میں تھی۔

"یامین کے تو بڑے عیش ہیں۔ لگتا ہے کہیں سے قارون کا خزانہ مل گیا ہے۔ میں نے ایک روز لبرٹی میں دیکھا تھا اسے لینڈ کروزر ڈرائیو کر رہا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کسی دوست کی ہو۔"

"نہیں سجو! اس کی اپنی تھی۔ پتا ہے میں ایک دن اچھرے گئی تھی اپنی نند کے ساتھ اسے کچھ لینا تھا تو میں نے سوچا پھپھو اور امین سے مل لیتی ہوں لیکن ان کے گھر تالا لگا ہوا تھا۔ گلی میں کھڑے ایک لڑکے نے بتایا یہ لوگ ڈیفنس منتقل ہو گئے ہیں اور امین کے بھائی نے ایک بڑی سی گاڑی لے لی ہے حلال کی اور ایمانداری کی کمائی یوں یکدم بندے کو اتنا امیر نہیں بناتی۔"

تو کیا یامین! مجھے بے حد دکھ ہوا تھا گو دل نے بہت تاویلیں دی تھیں کہ وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

وہ سچ کی خاطر بھڑ جانے والا' شیر علی کے حقوق کے لیے لڑنے والا بھلا ناجائز ذرائع سے دولت کما سکتا ہے؟ دل کا کیا ہے دل تو محبوب کو رعایت دے کر ہر گناہ سے بری کر دیتا ہے۔ کہیں کھوٹ تو تھا تب ہی تو اس نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں نے پوچھا بھی نہیں پتا نہیں۔ اپنا بھرم منظور تھا یا اس کا۔ وہ سونے سے پہلے ضرور فون کرتا تھا چاہے صرف شب بخیر ہی کیوں نہ کہے۔

ہاں اگر کسی وجہ سے نہ کر سکے تو الگ بات تھی۔ وقت گزر رہا تھا اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ مشہور ہوتا جا رہا تھا۔ مختلف چینلز پر آنے والے اپنے پروگراموں میں وہ حکومت پر برملا تنقید کرتا' بڑے بڑے لیڈروں کے اس نے چھکے چھڑا دیے تھے۔ وہ اس کے تابڑ توڑ سوالوں کے سامنے ٹھہر ہی نہ پاتے تھے۔ وہ لوگوں کا پسندیدہ میزبان بن چکا تھا لیکن پھر یکایک ایس ایم ایس آنے لگے۔ مجھے بھی کسی کا ایس ایم ایس ملا تھا۔

"یامین صفی امریکہ کا ایجنٹ ہے۔ سی آئی اے سے پیسہ کھاتا ہے۔ موساد اور را سے اس کے رابطے میں ہیں۔ ایسی کالی بھیڑوں کی نشاندہی کریں۔ اس ایس ایم ایس کو آگے فارورڈ کر دیں۔"

میں نے ایسے میسجز ڈیلیٹ کر دیے تھے لیکن ہر روز میرا دل پتا نہیں کیوں بجھتا جا رہا تھا اور اماں ہر دوسرے تیسرے روز ایک نیا رشتہ بتاتیں۔ "میری فرینڈ کی نند کا بیٹا ہے بہت اچھا۔ میری کزن کا دیور ہے۔" وغیرہ وغیرہ اور میں ہر بار التجا کرتی۔

"پلیز میری شادی کا خیال چھوڑ دیں مجھے شادی نہیں کرنا۔"

"لیکن کیوں جانو۔۔۔ اچھا تمہاری اپنی پسند ہے کوئی تو بتا دو۔" ایک روز انہوں نے کہا تھا۔

"نہیں اماں! ایسا کچھ نہیں ہے پلیز' آپ اب اس

کے لیے پریشان نہ ہوں۔"

وہ اماں تھیں انہیں تو میں ٹال سکتی تھی لیکن ڈیڈی۔۔۔ ان سے بات کرتے ہوئے مجھے اب بھی خوف آتا تھا۔ حالانکہ ڈیڈی نے تو کبھی مجھے ڈانٹا تک نہ تھا۔ پھر بھی میں ڈیڈی کو قائل نہیں کر سکتی تھی اور جب ڈیڈی نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"تجل تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے تم اپنی ممی کو کیوں تنگ کر رہی ہو۔

"نہیں ڈیڈی! میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں۔"

"تو پھر تم نے مبشر کے پروپوزل سے کیوں انکار کیا' میں اس فیملی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں بہت اچھے لوگ ہیں اور مبشر بذات خود بہترین لڑکا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے عاطف کوئی اتنا پسند بھی نہیں آیا تھا۔ میں نے تمہارے لیے جس طرح کے لڑکے کی خواہش کی تھی وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ پھر بھی تمہاری ماں کی وجہ سے میں مجبور ہو گیا تھا۔ یہ لڑکا مبشر مجھے بہت پسند ہے اور۔۔۔"

"پلیز ڈیڈی! میں خوش ہوں ایسے ہی' مجھے شادی نہیں کرنا۔" میں نے ہمت کر کے کہا تھا۔

"کوئی معقول وجہ ہے تمہارے پاس تو بتاؤ ورنہ نہیں۔"

میں نے بے بسی سے انہیں دیکھا تھا۔

"بس میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

وہ کچھ دیر کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھتے رہے۔

"کیا تم یامین کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو؟"

ان کی اس اچانک بات پر میں ششدر رہ گئی تھی۔ کچھ دیر تو مجھ سے بولا ہی نہیں جا سکا تھا۔ میں بس ان کی کھوجتی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی تھی۔

"نہیں۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا تھا اور ایسا کرتے ہوئے میرے اندر کوئی الجھاؤ نہیں تھا۔

"تو ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس' اچھی طرح سوچ لو' میں اس لڑکے کو کھونا نہیں چاہتا۔ اگر تم عاطف کے شادی کر لینے سے اپ سیٹ ہو تو اب تک تمہیں سنبھل جانا چاہیے تھا تجل! اور پھر دنیا صرف عاطف پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اگر تم کچھ لڑکیوں کی طرح سمجھتی ہو کہ زندگی مرد کی حاکمیت کے بغیر آزاد رہ کر گزارو تو ایسی لڑکیوں کے پاس آخری عمر میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ زندگی تنہا نہیں گزر سکتی۔

تمہارا کوئی بھائی بہن بھی نہیں ہے کہ ہمارے بعد جن کا تمہیں آسرا ہو۔ ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد جواب دینا۔ تمہارا ہر فیصلہ ہمیں منظور ہو گا۔"

بہت مختصر بات کرنے والے ڈیڈی نے اس روز اتنی لمبی بات کی تھی اور میرے دل پر جیسے ایک بوجھ سا آگرا تھا۔ میرے سکون میں تلاطم آگیا تھا۔

میں تو مطمئن تھی کہ بس اب زندگی یوں ہی گزر جائے گی یامین صفی کی محبتوں کے ساتھ لیکن اس کی رفاقتوں کے بغیر۔

مجھے کسی کے ساتھ جھوٹی زندگی نہیں گزارنی پڑے گی۔ یامین صفی کی محبت دل میں چھپا کر کسی اور شخص کے ساتھ زندگی بتانا کوئی آسان نہ تھا۔ "کیا مجھے ڈیڈی اور اماں کی خوشی کے لیے خود کو اس مشکل میں ڈال دینا چاہیے۔" میں نے خود سے پوچھا تھا لیکن میرے پاس اپنے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ زرمینہ بھی اپنے میاں کے ساتھ یورپ کے ٹور پر گئی ہوئی تھی جس کے ساتھ دل کا بوجھ ہلکا کرتی تب میں نے یامین سے ہر وہ بات کہہ دی جو ڈیڈی نے کہی تھی۔ یامین خاموشی سے سنتا رہا تھا۔

"کیا تم اپنے ڈیڈی سے ایک ہفتے کے بجائے ایک ماہ سوچنے کا وقت نہیں لے سکتیں۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں نا اس لیے۔"

اس کے لہجے میں مجھے ہلکی سی شوخی کا گمان ہوا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق پڑتا ہے یار! میں اس وقت ملک میں نہیں ہوں۔" میں یکدم چونکی تھی' آج صبح ہی مجھے ایک میسج ملا تھا۔



"یامین صفی انڈیا میں "را" کے کسی بڑے سے ملنے گیا ہے۔"

"تم انڈیا میں ہو؟" میں نے اچانک پوچھا تھا۔

"آں ہاں' تمہیں کس نے بتایا۔ شاید کسی صحافی نے خبر دے دی ہو۔ دراصل ہم میڈیا اور اخبار کے کچھ لوگ اس کا پیغام لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد دونوں ملکوں کے درمیان پرامن روابط کے لیے رائے عامہ ہموار کرنا ہے۔ کل ہم نیویارک چلے جائیں گے اور وطن واپسی میں دیر ہو جائے گی۔"

"تو۔۔۔؟" میں پتا نہیں کیوں افسردہ ہو گئی تھی۔

"تو یہ کہ میں وہاں ہوا تو تمہیں کوئی مشورہ دے سکوں گا اور اگر تم نے شادی کا فیصلہ کر لیا تو پھر تمہاری شادی میں شرکت بھی تو کرنا ہو گی آخر دوست ہوں تمہارا۔"

وہ شوخ ہو رہا تھا اور اس کی شوخی بھی میری اداسی کو دور نہ کر سکی تھی۔ یوں اماں سے میں نے ایک ماہ کا وقت لے لیا تھا۔ حالانکہ میں جانتی تھی کہ ایک ماہ بعد بھی میرا فیصلہ یہی ہوتا ہے۔ میں اپنے والدین کا دل نہیں دکھا سکتی تھی اور مجھے ڈیڈی کو تکلیف دینا گوارا نہ تھا۔ چاہے میرے دل کا خون ہو جاتا۔

"یہ ضروری نہیں کہ انسان جس سے محبت کرے اس سے شادی بھی ہو۔ یہ بات ایک بار یامین نے کہی تھی اور میں نے سوچا تھا۔

"اور یہ بھی ضروری تو نہیں کہ آدمی جس سے محبت کرے ہمیشہ اسی سے محبت کرتا رہے کبھی کبھی یہ محبت ختم بھی تو ہو جاتی ہے۔"

☆ ☆ ☆

اور میں آج بھی کبھی کبھی خود سے پوچھتی ہوں کیا میرے دل سے اس وقت یامین کی محبت ختم ہو گئی تھی کہ جب ڈیڈی اور اماں نے مجھے بتایا تھا کہ یامین صفی کا رشتہ آیا ہے تمہارے لیے۔ تو میرے اندر کہیں کوئی خوشی کے پھول نہیں کھلے تھے وہاں ویسی ہی تہہ در تہہ اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ حالانکہ ایک بار میں نے سوچا تھا کہ اگر کبھی ایسا ہوا تو وہ دن کیسا ہو گا۔ شاید بہت روشن۔۔۔ شاید بہت چمکیلا اور شاید مجھے وہ دن ہر اس دن سے زیادہ خوب صورت لگے گا جو میری زندگی میں اب تک آئے تھے لیکن اس روز کچھ بھی تو نہیں تھا۔ میں ہاتھ گود میں ساکت رکھے بیٹھی رہی تھی۔ میرے اردگرد پھیلا دن ویسا ہی تھا اداس' پھیکا اور بے رنگ سا اور مجھے خاموش سوالیہ نظروں سے اپنی طرف دیکھتے پا کر ڈیڈی نے بتایا تھا۔

"شہزین کا فون آیا تھا۔ وہ یامین کے رشتے کے لیے آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ تم اور یامین ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔" ڈیڈی نے رک کر ایک نظر مجھ پر ڈالی تھی۔

"تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو ہمارے لیے تمہاری خوشی' ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ تجل! ہم تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتے اگر تم یامین کے ساتھ خوش رہو گی تو ٹھیک ہے۔" انہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"یامین کا اب ایک مقام ہے' ایک عزت ہے۔ وہ اچھرہ کے اس معمولی گھر کے بجائے ڈیفنس میں رہتا ہے۔ میں نے اسے مختلف پروگراموں میں دیکھا ہے اور ملکی سطح پر خاصا مشہور ہے۔"

"ڈیڈی۔" میں نے جھکا ہوا سر اٹھایا تھا۔

"میں یامین کو پسند کرتی تھی۔ اس کی سچائی' اس کی بے باکی اور اس کی اس نیچر کی وجہ سے جو اسے اس کی غربت کے باوجود خوب صورت بناتی تھی۔ مجھے اس کی کھری لیکن تلخ باتیں اٹریکٹ کرتی تھیں لیکن اب وہ۔۔۔"

میرے سامنے وہ سارے ایس ایم ایس تھے۔ جو مجھے ملتے رہتے تھے۔

میرے سامنے عبداللہ حسن کا وہ مضمون تھا جو ایک سنڈے میگزین میں چھپا تھا جس میں یامین صفی کو اس نے وطن فروش اور امریکہ کا تنخواہ دار کہا تھا اور میرے سامنے زرمینہ کا خط تھا جس میں اس نے یامین کے متعلق لکھا تھا۔

"ڈیڈی! آپ پھپھو کو منع کردیں اور مبشر کے والدین کو آنے کے لیے کہہ دیں۔"

ابھی مہینہ ختم ہونے میں پورے تیرہ دن باقی تھے اور میں نے اپنا فیصلہ سنادیا تھا اور اسی رات یامین کا فون آگیا تھا۔

"سجل! یہ تم نے کیا کیا اور کیوں' اب جبکہ تمہارے ڈیڈی بھی راضی تھے پھر۔۔۔" وہ بے حد مضطرب' بے حد بے چین تھا۔

"کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تم سے کتنی شدید محبت کرتا ہوں۔۔۔ یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں ہے۔۔۔ تب سے جب میں نے یونیورسٹی میں تمہیں پہلی بار دیکھا تھا اور سوچا تھا یہ پرنسز یہاں کہاں آگئی ہے اور تم۔۔۔ تم بھی تو مجھ سے محبت کرتی تھیں۔"

"ہاں کرتی تھی یامین! میں نے اس یامین سے محبت کی تھی جو سعادت علی سے اس لیے بھڑ گیا تھا کہ اس نے پاکستان کو برا بھلا کہا تھا۔ جو سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ اس کا گریبان پکڑے اسے جھنجوڑ رہا تھا کہ پھر کہو گے میرے پاکستان کو برا۔ جس نے اس کا گریبان پھاڑ ڈالا تھا اس کے منہ پر طمانچے مارے تھے اور کہا تھا کہ۔۔۔

"اس پاکستان کو غیر ضروری کہتے ہو جو تمہارے ہونے کا سبب ہے۔"

ہاں یامین! میں اعتراف کرتی ہوں۔ وہی تھا وہ لمحہ جب میں نے تم سے محبت محسوس کی تھی اور پھر محبت کا یہ پودا تنومند ہوتا گیا تھا۔ اتنا کہ اسے جڑ سے اکھاڑنا مشکل تھا لیکن وہ اور یامین صفی تھا وطن سے محبت کرنے والا۔ وطن فروش نہیں۔ میں نے کسی وطن فروش سے محبت نہیں کی تھی۔"

اور وہ یکدم خاموش ہوگیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کے لہجے میں تلخی تھی شرمندگی نہیں۔

"میں نے امین کو بہترین فیوچر دینا تھا' مجھے اپنی ماں کا علاج کرانا تھا۔ مجھے نیلی کے سسرال میں اس کی عزت بحال کرنا تھی وہ جو ہر روز لڑ جھگڑ کر اسے گھر سے نکال دیتے تھے۔ میں۔۔۔"

"بس۔۔۔" میں مسکرائی تھی لیکن میرے اندر گہرائی میں بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔

"یہ سب تمہارا حق تھا یامین! لیکن کیا اس کے لیے ضروری تھا کہ تم وطن کا سودا کرتے؟؟"

"سجل! وہ سرد او د مجھے۔۔۔"

پتا نہیں اسے کیا وضاحتیں دینا تھیں لیکن میں نے سنی نہیں۔۔۔ میں سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ مجھے اپنے آپ سے بھی نفرت ہوجائے کہ میں نے ایسے آدمی سے محبت کی۔

میں نے کوئی پچاس بار اپنے آپ سے کہا تھا کہ میں اب یامین صفی سے محبت نہیں کرتی' لیکن پھر بھی اس رات میرا تکیہ میرے آنسوؤں سے گیلا ہوتا رہا تھا اور صبح ناشتے کے لیے جب میں ٹیبل پر آئی تو میری آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ اماں نے کتنی ہی بار سر اٹھا کر مجھے دیکھا تھا اور جب ڈیڈی آفس چلے گئے تو انہوں نے کہا تھا۔

"زندگی بہت لمبی ہے اور جذباتی فیصلے اس سفر کو بعض اوقات بہت مشکل بنادیتے ہیں۔ تم ایک بار پھر سوچ لو۔ لیکن مجھے تو کچھ بھی نہیں سوچنا تھا۔

اور اسی شام یامین میرے سامنے بیٹھا تھا۔ اماں نے مجھے بتایا تھا۔

"یامین آیا ہے تم سے ملنے وہ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ایک بار مل لو اس سے۔"

وہ میری ماں تھیں اور میرے دل کو ویران ہونے سے بچانا چاہتی تھیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں دروازے کی طرف پیٹھ کیے کھڑا دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پر وہ مڑا تو ایک لمحہ کو میں حیران رہ گئی۔ میں اسے ایک سال بعد دیکھ رہی تھی۔ قیمتی تھری پیس سوٹ' کلائی پر بندھی راڈو اور بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پلاٹینم کی انگوٹھی جس میں کوئی قیمتی پتھر جڑا تھا۔ وہ قدرے فربہ ہوگیا تھا اور اس وقت وہ کوئی بڑا صنعت کار یا کوئی بیوروکریٹ لگ رہا تھا۔ دولت اور خوشحالی نے خود بخود ہی اس کی شخصیت میں رعونت سی پیدا کردی تھی۔ وہ اس یامین سے کتنا مختلف تھا جو کبھی



ہوئی جینز پہنتا تھا اور کچھ دیر ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"بیٹھ جاؤ یامین! کیسے آنا ہوا؟"

"کیا تم نہیں جانتیں؟" وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم سجل۔۔۔ تم بہت زیادتی کررہی ہو میرے ساتھ' اپنے ساتھ۔

"میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" میں اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"دیکھو سجل! تم نے رات کو جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے۔ جھوٹ ہے' بکواس کرتے ہیں یہ لوگ میری شہرت سے جیلس ہوکر مجھ پر الزام لگارہے ہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی بنا پر تم نے مجھے وطن فروش کہا۔ کیا تم نہیں جانتیں مجھے اپنے وطن سے کتنی محبت ہے؟"

"تھی۔"

میں نے صرف اتنا ہی کہا تھا اور وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"کیا مجھے ترقی کرنے کا حق نہیں تھا۔ کیا میں ساری زندگی وہاں اس بدبودار گلی میں سڑتا رہتا اور اگر مجھ سے کچھ غلطی ہوئی ہے تو ہر انسان میں بشری کمزوریاں ہوتی ہیں۔ مجھ میں بھی ہیں۔ کیا تم میری ان بشری کمزوریوں کو معاف کرکے میرے ساتھ سمجھوتا نہیں کرسکتیں سجل! اور پھر میں نے یہ سب کچھ جو حاصل کیا ہے تمہاری خاطر۔۔۔"

"تم جھوٹ بھی بولنے لگے ہو یامین۔" میں نے دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے تو کبھی بھی تم سے ایسا نہیں کہا کہ تم لینڈ کروزر لے لو' ڈیفنس میں محل بنالو تو میں تمہارے ساتھ شادی کرلوں گی۔"

"ہاں تم نے نہیں کہا لیکن میں تو چاہتا تھا کہ۔۔۔"

"تم نے یہ سب اپنے لیے کیا ہے یامین۔"

"چلو اپنے لیے ہی سہی لیکن محنت کی۔"

"محنت میں اتنی جلدی اتنا کچھ حاصل نہیں ہوتا یامین! راتوں رات امیر بننے والے ہمیشہ چور دروازوں سے ہی کچھ حاصل کرتے ہیں۔"

"دیکھو سجل! میرے پاس آج وہ سب کچھ ہے' جس کی تمنا کوئی بھی کرسکتا ہے۔ دولت شہرت' عزت اور مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تم میری پہلی محبت ہو' اور تمہارے علاوہ میں نے کسی کو نہیں چاہا اور لوگ' جو بھی میرے متعلق یہ فضول ایس ایم ایس بھیج رہے ہیں یہ صرف چند لوگ ہیں۔ لوگوں کو ان کی باتوں پر یقین نہیں ہے اور میں یہ۔۔۔"

"لیکن مجھے یقین ہے یامین! اگر لوگ کہتے ہیں کہ یامین صفی امریکہ سے پیسہ لیتا ہے تو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں نے کل رات کا تمہارا پروگرام دیکھا ہے اور جتنی خوب صورتی اور ذہانت کے ساتھ تم نے اپنی لچھے دار۔۔۔ باتوں کے درمیان امریکہ کا موقف لپیٹ کر پیش کیا کسی کو احساس بھی نہیں ہوا ہوگا لیکن' بہت سے ذہنوں پر تمہاری بات نقش ہوگئی ہوگی۔" اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"سجل تم۔۔۔" اس نے مٹھیاں بھینچ کر کھولی تھیں۔ "تم ایک معمولی بات کو ایشو بنا کر اپنی محبت سے مکر رہی ہو۔ ادھر دیکھو میری طرف کیا تم میرے بغیر خوش رہ سکوگی؟؟"

اور میں نے اس کی طرف دیکھا تھا تو مجھے وہ ایک بے حد عام سا آدمی لگا تھا اور میں نے اس عام آدمی سے ہرگز محبت نہیں کی تھی۔ شاید مجھے اس کی ذات سے نہیں اس کے خیالات اس کے آدرش' اس کی سچائی اور اس کے خوابوں سے محبت تھی اور جب یہ سب اس کی ذات کا حصہ نہیں رہے تھے تو وہ مجھے بے حد عام سا لگ رہا تھا۔

"میں نے کبھی تمہیں آئی لو یو نہیں کہا سجل! کیونکہ میں جانتا تھا کہ ہمارے راستے کبھی ایک نہیں ہوسکتے۔" مجھے خاموش دیکھ کر اس نے کہا تھا۔ "لیکن آج میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ آئی لو یو۔ آئی لو یو سو مچ۔ میں نے ہر لمحہ تمہارے ساتھ کی تمنا کی ہے۔۔۔ میں نے صرف تمہیں چاہا ہے سجل! میں تمہارے لیے۔۔۔"

"کیا تم میرے لیے وہ سب کچھ چھوڑ سکتے ہو یامین!

جو تم نے ناجائز ذرائع سے کمایا ہے کیا تم اچھرہ کے اسی گھر میں۔۔۔“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ جھنجلا گیا تھا۔

”تم خواہ مخواہ فضول بات کر رہی ہو۔ ایسی بات جو ناممکن ہے تم بھوک اور غربت کے عذاب سے واقف نہیں ہو۔ شاید تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں تھی سحل! میں نے ہی غلط جانا تھا۔“ وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

اور اس روز پھر میں بہت روئی تھی۔ مجھے یامین کے بچھڑ جانے کا نہیں اپنی محبت کے مرجانے کا دکھ تھا۔ محبت۔۔۔ جس کے متعلق سر داور کہتے تھے کہ ”یہ جب کسی دل میں اترتی ہے تو پورے وجود کو خوبصورتیوں سے بھر دیتی ہے۔“ اور یامین صفی کہتا تھا۔

”محبت آدمی کو بہت ذلیل و خوار کرتی ہے۔ خدا تمہیں اس کے عذاب سے محفوظ رکھے۔“

میں اس محبت کے مرجانے پر روئی تھی اور میرے دل پر ایک بوجھل اداسی کا غبار سا تھا۔ مجھے گھر میں ہونے والی اپنی منگنی اور شادی کی گفتگو سے کوئی دلچسپی نہ تھی جو محرم کے بعد ہونا طے پائی تھی۔

☼ ☼ ☼
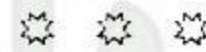
اس روز بھی میں صوفے پر دونوں پاؤں رکھے یوں ہی ٹی وی دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی جب میرے ہاتھ سے ریموٹ چھوٹ کر گر پڑا۔

”ایک فوڈ کارنر پر دھماکہ‘ چار افراد ہلاک متعدد زخمی‘ ہلاک ہونے والوں میں مشہور صحافی اور تجزیہ نگار یامین صفی کے چھوٹے بھائی امین صفی بھی شامل تھے۔“

”نہیں۔۔۔“

میری چیخ نکل گئی تھی اور میں نے اپنی چیخوں کو روکنے کے لیے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا تھا۔

وہ ”کیوٹو“ سا بچہ‘ مسکراتی آنکھوں والا‘ ڈیڈی اور پھپھو سے مشابہ۔۔۔

”امین صفی یو ای ٹی کا اسٹوڈنٹ تھا اور اپنے دوستوں کے ساتھ برگر کھانے۔۔۔“ نیوز کاسٹر بتا رہا تھا۔

امین جو پھپھو اور نیلی کا بے حد لاڈلا تھا جس کی آنکھوں میں بہت سارے خواب تھے جو پھپھو کے پاس بیٹھتا تو بار بار ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چومتا تھا۔ جو بچپن میں کہتا تھا میں بڑا ہو کر قائد اعظم بنوں گا۔ جو یامین صفی کا خواب تھا۔

اس کے معمولی بخار پر وہ اکھڑ سخت مزاج یامین پگھل کر پانی ہو جاتا تھا۔

کیمرہ مین جائے حادثہ کی فلم دکھانے کے بعد اب ہاسپٹل کا بیرونی منظر دکھا رہا تھا۔ بہت سارے لوگوں کے ہجوم میں‘ میں نے یامین صفی کو دیکھا۔ جو صحافیوں اور میڈیا کے لوگوں میں گھرا بار بار مائیک کو اپنے ہاتھوں سے پیچھے کر رہا تھا۔ اس کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہ شاید اندر ہاسپٹل میں جانا چاہتا تھا۔ ایک نمائندے نے پھر مائیک اس کی طرف کیا۔

”سر! آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ دھماکا خودکش حملہ تھا؟“ اس نے ہاتھ مار کر مائیک پیچھے کیا۔

”احمقو۔“ میں غصے سے چیخی تھی۔ ”یہ مرنے والا کوئی غیر نہیں تھا اس کا لاڈلا بھائی تھا اور تم۔ ظالمو! اس موقع پر کسی سے سوال کیے جاتے ہیں۔“

لیکن میری آواز میرے لاؤنج میں ہی گونج کر رہ گئی تھی۔ وہ اسی طرح ہاتھوں سے بھیڑ ہٹاتا کسی کے سوال کا بھی جواب دیے بغیر راستہ بنا رہا تھا۔ میرا ضبط جواب دے گیا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ میں نے سوچا تھا مجھے پھپھو کے پاس یامین کے پاس اور نیلی کے پاس جانا چاہیے لیکن مجھے لگا تھا میں نہیں جاسکوں گی اور یہ چوتھے دن کی بات تھی جب اس نے میرا فون اٹینڈ کیا۔۔۔ ورنہ تین دن سے وہ مسلسل آف مل رہا تھا۔

”یامین۔۔۔ منی۔“ میری آواز بھرا رہی تھی۔ ”یہ میری کرنیوں کی سزا ہے جو اسے ملی ہے۔ میرا شہزادہ مر گیا سحل! میرا قائد اعظم مٹی میں مل گیا۔“ اس نے

کہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے اور میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"اس کے لیے دعا کرنا تجل! اللہ اسے جنت الفردوس میں جگہ دے۔"

اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی اور پھر اس نے فون بند کر دیا تھا اور یہ اسی رات کی بات تھی میں اپنے بیڈ پر نیم دراز خبرنامہ دیکھ رہی تھی' جب میں نے اسے دیکھا وہ کسی پریس کانفرنس سے مخاطب تھا۔

"میں منی کے قاتلوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔۔ سب جانتا ہوں میں' کون ہے جو یہ دھماکے کروا رہا ہے۔ یہ تیسرا ہاتھ کس کا ہے جو ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ میں ان سب ملک دشمن لوگوں کو بے نقاب کروں گا۔ مجھے کفارہ ادا کرنا ہے۔"

"سر! کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟" ایک صحافی پوچھ رہا تھا۔ میں لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"بہت کچھ جانتا ہوں میں۔"

اس کی پیشانی پر لکیروں کا جال بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔" وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ کون لوگ۔۔۔"

"نہیں نہیں یامین! یوں سر عام کچھ مت کہو۔"

میں اسے منع کرنا چاہتی تھی لیکن بے بسی سے ہاتھ مل کر رہ گئی تھی۔ وہ یامین صفی تھا جو جب دل میں کچھ ٹھان لیتا تھا تو پھر کوئی چیز اسے خوف زدہ نہیں کرتی تھی جب وہ لیبرز کے حقوق پر لکھ رہا تھا۔ جب وہ نوعمر بچوں پر ہونے والے ظلم پر لکھ رہا تھا تو کتنی دھمکیاں اسے ملی تھیں' لیکن اس نے وہی کیا تھا جو دل میں ٹھان لیا تھا۔

"ہاں' بہت جلد سب کچھ منظر عام پر لاؤں گا مع ثبوت کے۔ مجھے اپنے وطن کا قرض ادا کرنا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"کب سر؟" ایک رپورٹر پوچھ رہا تھا۔

"ابھی میرا دل اپنے قابو میں نہیں ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی اور آنکھوں میں نمی پھیل گئی تھی۔

"لیکن بہت جلد۔"

اور دور کہیں کسی بند کمرے میں اس کی موت کے پروانے پر دستخط کیے جا رہے تھے۔

اب نیوز کاسٹر کوئی اور خبر سنا رہا تھا اور میں بار بار اس کا نمبر ملا رہی تھی لیکن اس کا فون آف تھا۔ تھک کر میں سونے کی کوشش کرنے لگی تھی لیکن بہت بے چین نیند تھی۔ بار بار آنکھ کھل جاتی تھی پھر بھی میں صبح معمول کے مطابق جاگ گئی تھی اور ناشتے کے بعد جب میں اماں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھی تھی تو ٹی وی آن کرتے ہوئے میں نے اخبار اٹھایا تھا اور پھر میری نظریں ٹی وی کی طرف اٹھی تھیں۔

"آج صبح مشہور صحافی اور تجزیہ نگار یامین صفی اپنے بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر قبرستان سے باہر نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ کسی نامعلوم شخص نے انہیں گولی مار دی' وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔"

"نہیں۔۔۔" میں یکدم کھڑی ہو گئی۔

ٹی وی پر سلائیڈ چل رہی تھی۔

اور پھر مجھے لگا جیسے زمین میرے قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہو۔ میں نے گرنے سے پہلے اماں کی چیخ سنی تھی۔ پھر پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی۔ میں جیسے کسی اندھے غار میں گر پڑی تھی پھر میں نے دیکھا' میں کسی ہاسپٹل کے کمرے میں دیوانہ وار یامین کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں پھر وہ مجھے ایک بیڈ پر لیٹا نظر آ گیا۔

"یامین۔۔۔"

میں بیڈ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ میں نے ہولے سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"یامین۔۔۔"

"آئی لو یو۔"

میں نے پہلی بار اس سے کہا تھا' اس نے یکایک آنکھیں کھول دیں۔ میری طرف دیکھا اور مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"تجل۔۔۔ تھینکس۔۔۔" اس کے لب ہلے تھے اور آواز ڈوب گئی تھی لیکن وہ مجھے دیکھ رہا تھا' اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور اس کی آنکھوں میں وہی تاثر تھا جب آخری پیپر والے دن دیوار سے ٹیک لگائے میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں' تمہیں کیا معلوم۔"

میں اسے دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھیں ہولے ہولے بند ہو گئیں۔

"یامین۔۔۔ یامین۔۔۔" میں چیخی تھی۔

"تجل۔۔۔ تجل بیٹا۔۔۔"

اماں میرے رخسار تھپتھپا رہی تھیں۔

میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے ہاسپٹل کے کمرے کو اور پھر اماں کو دیکھا اور میری آنکھوں کے سامنے ٹی وی کی اسکرین تھی' جہاں سلائیڈ چل رہی تھی۔

"یامین صفی۔۔۔"

"اماں یامین۔۔۔"

میں ان سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے لگی تھی اور وہ مجھے ہولے ہولے تھپکنے لگی تھیں۔

یامین چلا گیا تھا' کچھ کہنے سے پہلے ہی اسے مار دیا گیا تھا۔

یامین صفی جو سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھٹکا اور موت نے اسے واپس پلٹنے کی مہلت نہیں دی لیکن میں۔۔۔ ابھی وقت میرے ہاتھ میں تھا' میں نے مبشر کے لیے منع کر دیا کیونکہ یامین کی محبت دل میں بسا کر میں مبشر کے ساتھ جھوٹی زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ سو میں نے جاب کر لی ہے لیکن پڑھاتے پڑھاتے جب یامین کی یاد شدت سے آتی ہے تو میں اماں اور ڈیڈی سے اجازت لے کر پھپھو سے ملنے چلی جاتی ہوں۔

ڈیفنس کے اس ایک کنال کے گھر میں پھپھو اور ارتقا صفی اکیلے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی نیلی اور عارفین آجاتے ہیں تو کچھ دیر کو تنہائی ختم ہو جاتی ہے۔

ارتقا صفی جو ہمیشہ مہنگے کلف والے کپڑوں میں ملبوس اور خوشبوؤں میں بسا رہتا تھا' اب ملگجے شکن آلود کپڑے پہنے اس بڑی کوٹھی کے کمروں اور لان میں بولایا بولایا سا پھرتا رہتا ہے۔ کبھی جو زیادہ جوش آتا ہے تو دونوں ہاتھ بلند کر کے زور زور سے نعرے لگاتا "قاتلو! جواب دو خون کا حساب دو" کہتا کوٹھی سے باہر نکل جاتا ہے۔

کبھی راتوں کو امین اور یامین کو پکار پکار کر روتا ہے اور جب میں وہاں جاتی ہوں تو پھپھو میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھتی ہیں۔

"تجل! وہ ایسا تو نہیں تھا' اسے جھوٹ سے' ریاکاری سے نفرت تھی' اسے تو پیسے کی ہوس بھی نہیں رہی تھی پھر کیوں اس نے اپنی خواہشوں کے بدلے اپنے ضمیر کا سودا کیا' لیکن وہ پلٹنا چاہتا تھا' وہ بھٹکا ضرور تھا لیکن اسے سچے راستے کا ادراک تھا۔ منی کی موت کے بعد اس نے اعتراف کرتے ہوئے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد وہ اس سب کا کفارا ادا کر دے گا جو اس نے کیا لیکن پھر کیوں چلا گیا وہ۔۔۔" میں پھپھو کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی تھی۔ میں تو خود اسے جیت کے ہار گئی ہوں اور ان کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی ہوں کہ میرے پاس ان کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

☆